گاندھی کے چیلے

گاندھی کے پاؤں دھونے والے سابق صوبہ سرحد کے سرخ پوش غفار خان
ان کے بھائی ڈاکٹر خان صاحب اور بیٹے ولی خان کی پاکستان دشمنی اور
انگریز اور ہندو کے ایجنٹ ہونے کی خوفناک اور اندرونی داستان
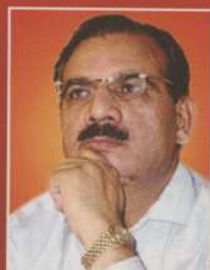
ضیا شاہد

اصل نام: ضیا محمد

قلمی نام: ضیا شاہد

تاریخ پیدائش: 4 جنوری 1945ء

جائے پیدائش: گڑھی یاسین
ضلع شکار پور (سندھ)

آبائی شہر: جالندھر مشرقی پنجاب
(متحدہ ہندوستان)

تعلیم: ایم اے (گولڈ میڈلسٹ)
بی اے آنرز (گولڈ میڈلسٹ)

صحافت: مترجم روزنامہ تسنیم لاہور

کالم نویس ہفت روزہ اقدام لاہور، سب ایڈیٹر روزنامہ ''کوہستان'' لاہور، سب ایڈیٹر روزنامہ حالات لاہور، ڈپٹی ایڈیٹر ماہنامہ اُردو ڈائجسٹ لاہور، ایڈیٹر پبلشر ہفت روزہ کہانی لاہور، ایڈیٹر روزنامہ مغربی پاکستان لاہور، ایڈیٹر پبلشر ہفت روزہ صحافت لاہور، میگزین ایڈیٹر روزنامہ نوائے وقت لاہور، ریذیڈنٹ ایڈیٹر روزنامہ نوائے وقت کراچی، ایڈیٹر فورم/ ڈپٹی ایڈیٹر، جوائنٹ ریذیڈنٹ ایڈیٹر روزنامہ جنگ لاہور، ایڈیٹر ہفت روزہ ''آواز پنجاب'' لاہور، چیف ایڈیٹر روزنامہ پاکستان لاہور، چیف ایڈیٹر/ پبلشر روزنامہ ''خبریں'' لاہور، اسلام آباد، کراچی، ملتان، سکھر، مظفر آباد (آزاد کشمیر)، پشاور۔ چیف ایگزیکٹو روزنامہ ''خبرون'' سندھی کراچی، سکھر۔ چیف ایڈیٹر روزنامہ خبراں پنجاب لاہور، کراچی، اسلام آباد۔ چیف ایڈیٹر روزنامہ ''دی پوسٹ'' انگریزی لاہور، اسلام آباد۔ چیف ایڈیٹر روزنامہ ''نیا اخبار'' لاہور، اسلام آباد، ملتان، پشاور۔ رکن پاکستان رائٹر گلڈ، سابق سینئر نائب صدر اے پی این ایس کراچی، سابق سینئر نائب صدر سی پی این ای کراچی، صدر کونسل آف پاکستان نیوز پیپر ایڈیٹرز۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ○

گاندھی کے چیلے

(اے این پی کی طرف سے پختونخوا یا پختونستان کے مطالبے پر روزنامہ ''خبریں''
میں چھپنے والے سلسلے وار مضامین ''ولی خان جواب دیں'' کا مجموعہ)

ضیا شاہد

نام کتاب	....	گاندھی کے چیلے
مصنف	....	ضیا شاہد
بااہتمام	....	علامہ عبدالستار عاصم، محمد فاروق چوہان
صفحات	....	200
اشاعت اول	....	اپریل 1998ء
اشاعت دوم	....	ستمبر 2017ء
سرورق	....	نعیم خان
طابع	....	شہزاد پرنٹرز
قیمت	....	-/800 روپے

ملنے کا پتہ

قلم فاؤنڈیشن انٹرنیشنل

یثرب کالونی، بینک سٹاپ، والٹن روڈ لاہور کینٹ

0300-0515101/0300-8422518

qalamfoundation3@gmail.com

انتساب

اجمل خٹک کے نام

خیبر پختونخوا کے معروف صحافی اور سیاستدان اجمل خٹک زندگی بھر خدائی خدمتگار رہے۔ نیپ کے سیکرٹری جنرل بنے جبکہ صدر سرحدی گاندھی عبدالغفار خان کے صاجبزادے عبدالولی خان تھے۔ برسوں کابل میں بیٹھ کر حکومت پاکستان کے خلاف پختونستان کی تحریک کی حمایت کرتے رہے۔ نیپ کے خلاف ذوالفقار علی بھٹو نے سپریم کورٹ میں ریفرنس بھیجا تو دلائل اور ثبوتوں میں سب سے زیادہ اجمل خٹک کے بیانات اور تحریریں تھیں۔ تاریخ کا پہیہ چلتا رہا اور وہی اجمل خٹک مسلم لیگ ن کے اتحادی اور نواز شریف صاحب کے حامی بن گئے اور نیپ کے بعد اے این پی کو بھی خیر باد کہہ دیا۔

مجھے ان کے ساتھ تحریک نجات میں مسلسل سفر کا موقع ملا۔ بعدازاں ان سے بیشمار ملاقاتیں بھی ہوئیں۔ وہ لاہور میں میرے گھر اور میں خیبر پختونخوا میں ان کے گھر بہت مرتبہ گیا۔ ان کی علالت کے دنوں میں تیمارداری کے لیے بھی جانے کا اتفاق ہوا۔ ایسی ہی ایک شام وہ بستر پر لیٹے ہوئے تھے اور میں کرسی پر ان کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر کہا ضیا شاہد میں نے اپنی زندگی میں جو کچھ پاکستان کی سالمیت کے خلاف کیا اس پر میں بہت شرمسار ہوں اور گزشتہ کئی برسوں سے اپنی غلطیوں کی تلافی میں مضبوط اور مستحکم پاکستان کی خاطر سیاسی جدوجہد کر رہا ہوں۔ کبھی موقع ملے تو اپنے اس

بوڑھے دوست کے بارے میں یہ لکھیے گا کہ دنیا سے رخصت ہونے سے پہلے میں نے اپنی غلطیوں پر شرمندگی کا اظہار کیا تھا۔

میں اس کتاب کو اس بوڑھے انقلابی کے نام منسوب کرتا ہوں جو عمر کے آخری دور میں نہ صرف اپنی غلطیوں کو تسلیم کرتے تھے بلکہ پاکستان کی وحدت' استحکام اور مختلف صوبوں اور قومیتوں کے مابین محبت اور پیار کا پرچار کرنے کے سوا ان کا کوئی مشن نہ تھا۔ شاید سرحدی گاندھی خان عبدالغفار خان اور ان کے بیٹے خان عبدالولی خان کی سوچ سے انہوں نے یکسر علیحدگی اختیار کر لی تھی۔

ضیا شاہد

مضامین کی فہرست

تصاویر کی فہرست

چند سطریں

قارئین کرام!

زیرِ نظر کتاب میں نے اس وقت لکھنا شروع کی جب سرحدی گاندھی کے بیٹے عبدالولی نے اپنی کتاب Facts are Facts یعنی حقائق حقائق ہیں لکھی اور دعویٰ کیا کہ اس نے برٹش انڈیا لائبریری لندن میں موجود دستاویزات پر ریسرچ کی ہے اور یہ بدبودار الزام بانی پاکستان حضرت قائداعظم پر لگایا کہ 23 مارچ 1940 کو دوقومی نظریہ یعنی ہندو اور مسلمان دو الگ قومیں ہیں پیش کرنے والے قائداعظم (خدانخواستہ) انگریز کے ایجنٹ تھے اور پاکستان مسلمانوں کے سیاسی معاشرتی اور معاشی حقوق کی بجائے انگریز کی سازش کا نتیجہ تھا۔ ظاہر ہے کہ کوئی سچا پاکستانی اس شرمناک الزام کے جواب میں خاموش نہیں رہ سکتا تھا بہت سے لوگوں نے اس کتاب پر کڑی تنقید کی چند ایک نے کتابیں بھی لکھیں لیکن کسی نے ولی خان ان کے والد سرجوش رہنما اور سرحدی گاندھی غفار خان کے بارے میں قاری کو کھنگارنے کی کوشش نہیں کی کہ یہ لوگ کون ہیں جو چاند پر تھوک رہے ہیں اور ان کے دلوں میں بانی پاکستان اور نظریہ پاکستان کے خلاف اس قدر نفرت کیوں اس خاندان کی ابتدا جو خود کو انگریز دشمنی کا علمبردار سمجھتا تھا انگریزی فوج میں معصوم پٹھان نوجوانوں کو بھرتی کروانے کے نتیجہ میں انعام کے طور پر زمینوں اور جاگیروں سے ہوئی پھر پتہ چلا کہ نام نہاد تصوف اور جھوٹی عوامی خدمت کا پرچارک کس طرح اپنی روح تک گاندھی کے ہاتھ فروخت کر چکا تھا اور اپنی خودنوشت میں غفار خان کیسے لکھتا ہے کہ جتنے دن وہ گاندھی کی خدمت میں رہتا تھا اپنے ہاتھ سے نام نہاد مہاتما کے پاؤں دھوتا تھا کیسے صبح کو پوجا پاٹ سے اس کی روح تروتازہ ہوتی تھی کس طرح اس کے بھائی اور اس وقت کے صوبہ سرحد کے وزیراعلیٰ ڈاکٹر خان صاحب کی انگریز بیوی کو برٹش سرکار دہلی سے ماہوار بھاری وظیفہ ملتا تھا کہ وہ پٹھان قوم کو حکومت انگلشیا کا مطیع و فرمانبردار بنائے کیونکہ بھارتی حکومت نے سرحدی گاندھی غفار خان کو دہلی بلا کر سب سے بڑے سرکاری اعزاز سے نوازا اور کیسے نقد کروڑوں روپے کی تھیلی تحفے میں پیش کی اور یہ

پیسہ غفار خان نے پاکستان میں نہیں کابل کے بینکوں میں کیوں جمع کروایا میری تحقیق کے نتیجہ میں بھارتی خفیہ ایجنسی ''را'' کے سربراہ اشوک رینا کی اپنی کتاب میں وہ خوفناک انکشافات سامنے آئے کہ مرارجی ڈیسائی وزیراعظم بھارت بنے تو ان کے سامنے ایک خفیہ فائل لائی گئی اور بتایا گیا کہ ہر ماہ کتنی بھاری رقم دلی سے کابل منتقل ہوتی ہے اور وہاں سے پشاور میں ولی خان تک پہنچتی ہے تاکہ وہ آزاد بلوچستان کے لئے پٹھانوں میں رشوت تقسیم کرسکے۔ کانگرس کے صدر مولانا ابوالکلام آزاد نے خود اپنی کتاب آزادی کیلئے میں غفار خان اور اس کے خاندان پر مالی بدعنوانی کے کتنے الزامات لگائے تھے بعد ازاں غفار خان نے موت سے پہلے کیونکر وصیت کی کہ انہیں پاکستان میں نہیں افغانستان میں دفن کیا جائے اور ولی خان کی پارٹی کے جنرل سیکرٹری اجمل خٹک کابل میں بیٹھ کر کیونکر یہ مطالبے کرتے رہے کہ پاکستان اور افغانستان کے درمیان سرحد کو طورخم سے اٹھا کر دریائے اٹک کے پل تک لایا جائے جس کے نتیجہ میں ذوالفقار علی بھٹو کو اپنے دور حکومت میں نیپ پر پابندی لگانی پڑی۔ ولی خان مینگل بزنجو مری اینڈ کمپنی کو گرفتار کر کے حیدر آباد جیل میں بند کرنا پڑا۔ بھٹو دور میں نیپ کی ملک دشمنی کو سپریم کورٹ میں آئین کے مطابق ریفرنس کی شکل میں پیش کیا گیا جسے اس وقت کے ملٹری انٹیلی جنس کے سربراہ جنرل غلام جیلانی نے سینکڑوں صفحات پر مشتمل ثبوتوں کے ساتھ تیار کیا تھا جنہیں ضیا دور میں پنجاب کا گورنر بنایا گیا۔ سرحد میں ریفرنڈم سے پہلے جس میں پٹھانوں کی زبردست اکثریت نے قیام پاکستان کے حق میں ووٹ دیا پنڈت نہرو کے جلوس پر جو پشاور ایئرپورٹ سے چارسدہ روانہ ہوا تھا پاکستان کے حامی پٹھانوں نے نفرت سے کتنا گوبر پھینکا تھا اس ریسرچ کے لئے میں نے پشاور کے علاوہ بھارت سے بھی کچھ کتابیں منگوائیں اور یہ کتاب ایک تاریخی تصنیف ہے جو سرحدی گاندھی کے خاندان کا اصل اور مکروہ چہرہ پاکستانی قارئین کے سامنے پیش کرتی ہے۔

مجھے خوشی ہے کہ عزیزم عبدالستار عاصم کے اصرار پر میں ضروری نظر ثانی کے بعد'' گاندھی کے چیلے'' قارئین کی خدمت میں پیش کررہا ہوں اس کتاب کا ایک ایک لفظ سچ پر مبنی ہے اور سچ کے سوا کچھ نہیں۔

ضیا شاہد

ولی خان سے کچھ کھلی باتیں

قارئین کرام! 16 فروری 98ء کو دن بھر پورے ملک میں ولی خان صاحب کے ان ''ارشادات عالیہ'' کا چرچا رہا، جوانہوں نے باچا خان کی دسویں برسی کے موقع پر پشاور کے جلسہ عام میں فرمائے تھے۔ ''خبریں'' پڑھنے والے اس بات کے گواہ ہیں کہ ہم نے کبھی اے این پی کے خلاف کوئی مہم نہیں چلائی، بلکہ بہت پیچھے جائیں تو ہم ''صحافت'' کے نام سے ایک معروف ہفت روزہ شائع کرتے تھے ان دنوں ڈیڑھ سو سے زائد صفحات پر مشتمل اس میگزین کا ایک خصوصی شمارہ ''ولی خان نمبر'' ہم نے شائع کیا، جس میں بھٹو حکومت کے خلاف ان کا بیان حلفی پہلی بار پنجاب میں ہم نے چھاپا۔ میری سوچ ہمیشہ یہ رہی کہ پنجاب میں بیٹھ کر ہمیں غداریوں کے سٹرفکیٹ تقسیم کرنے کے بجائے سرحد، سندھ اور بلوچستان کی سیاسی قیادتوں کا احترام کرنا چاہیے اوران کی بات کوخواہ وہ ہمیں پسند نہ ہوتو بھی سننا اور سمجھنا چاہیے اور ہر اہم قومی مسئلے کو باہمی افہام وتفہیم کے ساتھ سلجھانا چاہیے۔

لیکن آج جناب ولی خان نے جو کچھ کہا اس نے بہت سے دل توڑے اور بہت سے خوابوں کو چکنا چور کر دیا۔ ''خبریں'' شاید واحد اخبار ہے جس میں باچا خان کی دسویں برسی پر ایک تفصیلی مضمون شائع ہوا۔ ''خبریں'' کا صدر دفتر پنجاب میں ہے۔ اس کے باوجود یہ صوبہ سرحد کے بعض علاقوں میں تعداد اشاعت کے اعتبار سے پہلے نمبر پر اور زیادہ تر علاقوں میں دوسرے نمبر پر ہے۔ ولی خان کے گھر واقع چارسدہ میں (جسے ولی باغ کہتے ہیں)۔ میں بار بار جا چکے ہیں۔ کسی دور میں بھی میں نے ان کے نقطہ نظر کو توڑ مروڑ کر نہیں پیش کیا اور کالعدم نیپ سے اے این پی تک، میں نے ہمیشہ ان کو اچھی کوریج دی۔ ہمارے اجمل خٹک صاحب (جو شاید اے این پی کے رسمی صدر ہیں) سے بہترین اور دوستانہ تعلقات رہے۔ اس کے باوجود خان صاحب نے جو
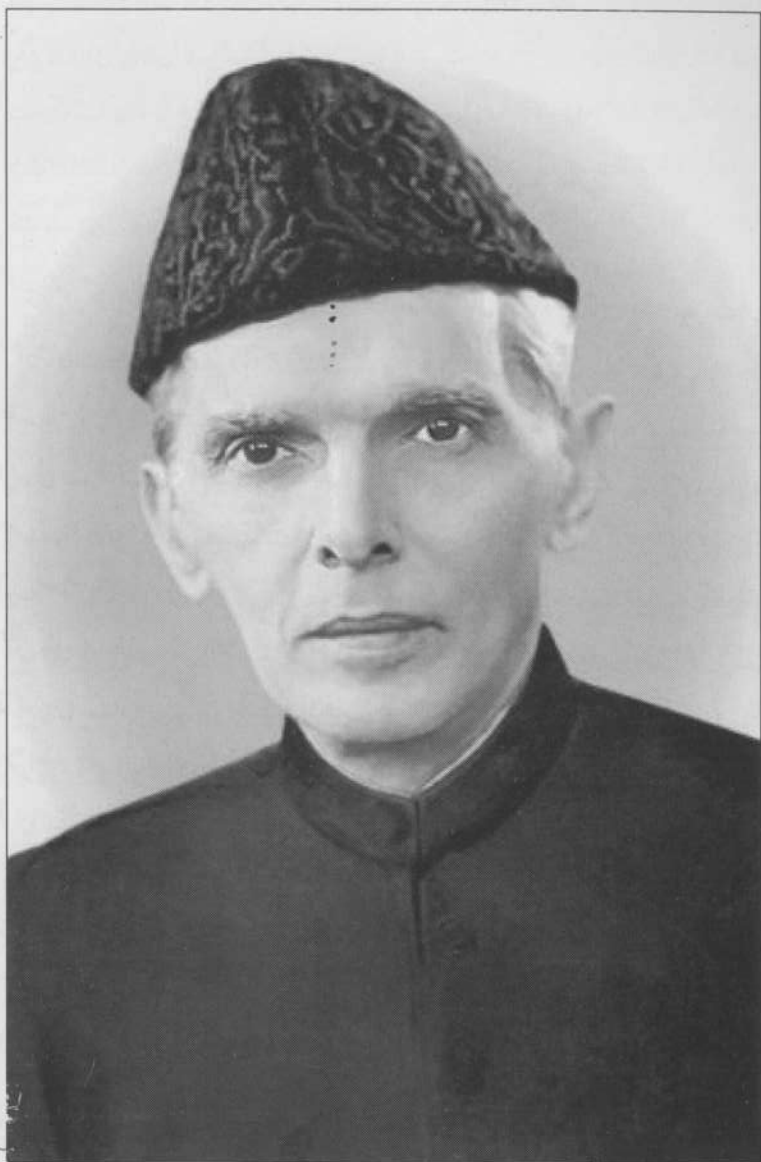
کچھ فرمایا، اس پر میں چپ نہیں رہ سکتا اور جی چاہتا ہے کہ ان سے کھلی کھلی باتیں ہو جائیں، آج ہی اور ابھی۔ اس لیے کہ وہ بھی اس بار نہ جانے کیوں کچھ زیادہ ہی جلدی میں ہیں اور بہت تیزی کے ساتھ ''انتہا پسندانہ'' عزائم کا اس طرح اظہار کر رہے ہیں جیسے کسی سوچے سمجھے فارمولے پر ''قدم بہ قدم'' عمل کر رہے ہوں۔

ولی خان صاحب! پہلی بات یہ کہ آپ کا یہ الزام سراسر بے بنیاد ہے کہ پنجابی پریس آپ کے خلاف ہے، سرحد اسمبلی تڑوانا چاہتا ہے۔ ہمیں نوائے وقت اور جناب مجید نظامی کا بہت احترام ہے لیکن پہلی بات یہ ہے کہ پنجاب سے صرف نوائے وقت شائع نہیں ہوتا، یہاں سے جنگ، خبریں اور پاکستان بھی چھپتے ہیں اور صوبہ سرحد کے تمام شہروں میں دلچسپی سے پڑھے جاتے ہیں۔ یہ صرف ایک اخبار کے اداریے کو بنیاد بنا کر آپ نے پنجاب کی طرف توپوں کا جو رخ موڑ دیا ہے، کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ چاہتے ہیں کہ ہم بھی جواب الجواب میں پھنس جائیں؟ اور وہ جنگ جسے سر کرنے کیلئے ہم نے کالا باغ ڈیم کو قوم کیلئے ضروری سمجھتے ہوئے بھی ہمیشہ یہ مؤقف اختیار کیا کہ یہ ڈیم اور دوسرے ڈیم ضروری ہیں، مگر قومی اتحاد اس سے زیادہ ضروری ہے، لہٰذا اس ڈیم پر جو اعتراضات ہیں، ان پر فنی بحث ہو، ان اعتراضات کو رفع کیا جائے، ڈیم کے ڈیزائن میں ایسی تبدیلیاں کی جائیں کہ نوشہرہ ڈوبنے اور متعلقہ علاقے میں سیم پھیلنے کے خطرات کم ہو جائیں اور یہ زبانی دعوے نہیں ہیں۔ خان صاحب یاد کریں، میرا نام ضیا شاہد ہے اور میں وہ شخص ہوں جس نے ''جنگ'' لاہور کے زیر اہتمام کالا باغ ڈیم پر الحمرا ہال میں سینکڑوں افراد کی حاضری کے ساتھ پنجاب میں پہلی بار سارے صوبوں کے سیاسی نمائندوں اور ماہر انجینئروں کو بلایا۔ جی ہاں! سرحد سے آپ اس سیمینار میں آئے، سندھ سے حفیظ پیرزادہ آئے، پنجاب سے نمائندگی حنیف رامے نے کی، بلوچستان سے فنی ماہرین بلوائے گئے، پشاور سے وہ انجینئر بھی آئے، جنہوں نے سب سے پہلے اس ڈیم پر تنقیدی مضامین لکھے تھے۔

کیا یہ قومی اتفاق رائے پیدا کرنے کی کوشش نہیں تھی؟ کیا ضیا شاہد لاہور کے اخبار سے متعلق نہیں تھے؟ کیا میں نے پورا دن، دو سیشن کالا باغ ڈیم پر صوبوں کے نقطہ نظر کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی تھی؟ کیا اس کے چند ماہ بعد دریائی پانی کی تقسیم پر بھی ایسا ہی ایک روزہ سیمینار نہیں منعقد کیا تھا؟ کیا اس سیمینار میں بھی اس خاکسار نے چاروں صوبوں کے نمائندوں کو نہیں بلایا تھا، جن

میں آپ کی پارٹی کے لیڈر بھی شامل تھے۔

''جنگ'' کے بعد ''پاکستان'' (جو آج بھی پشاور اور سرحد میں دلچسپی سے پڑھا جاتا ہے) اور پھر ''خبریں'' کیا ان سبھی اخبارات میں ہم نے ہمیشہ آپ کے نقطہ نظر کو تفصیل سے جگہ نہیں دی؟ لیکن نوائے وقت نے جو لکھا، ہمیں اس کے پیچھے بھی پاکستان کے قومی مفادات سے محبت نظر آتی ہے۔ ان کے نقطہ نظر سے آپ کو اختلاف بھی ہو سکتا ہے لیکن کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ پنجاب کے اخبارات کو برا بھلا کہیں؟ انہیں اپنے خلاف سازش کا مرتکب قرار دیں۔ اگر آپ کو ریسرچ کے نام پر پاکستان اور قائداعظمؒ کے خلاف ہمارے دل کو دکھانے والی باتیں لکھنے کا حق حاصل ہے (اور یہ شاید صرف پاکستان میں آزادی ہے کہ آپ آئین کے آرٹیکلز کی دھجیاں اڑاتے ہوئے، پاکستان اور بانی پاکستان کو جتنی جی چاہیں گالیاں دیں، قائد کی نیت پر شک کریں، پاکستان کو انگریزوں کی سازش قرار دیں، مگر آپ پر کوئی پکڑ دھکڑ نہ ہو، اور ان ساری باتوں پر ہم اعتراض کریں تو ہمیں بتایا جائے کہ یہ ایک اعلیٰ تحقیق ہے) اور اگر نوائے وقت آپ کے ظاہری اعلانات اور تازہ اقدامات کو ماضی کے تجربات اور واقعات سے ملا کر اپنی رائے دے تو آپ پنجاب کے بارے پریس پر چڑھ دوڑیں۔ نہیں جناب، محقق اعظم صاحب! یہ انصاف نہیں بے انصافی ہے۔ یہ آئین و قانون کی پاسداری نہیں، اس سے انحراف ہے۔

مجھے اس بات پر بھی شدید افسوس ہے کہ آپ نے پنجاب دشمنی میں یہاں تک کہہ دیا ہے کہ افغانستان سے آنے والے لوگ آپ کے بھائی ہیں اور پنجاب سے آنے والے مہاجر۔ شاید آپ کو یاد نہیں رہا۔ شاید عمر کی زیادتی کے سبب آپ کچھ کچھ بھولنے لگے ہیں۔ اس لیے کہ ہمیں وہ وقت بھی یاد ہے، جب ضیاالحق مرحوم ان مہاجروں کو گلے سے لگاتے تھے، مگر آپ اور آپ کے ساتھی افغان جہاد کے ساتھ ساتھ مہاجرین بالخصوص مجاہدین کو امریکی پٹھو کہا کرتے تھے اور کلاشنکوف کلچر کو ان مہاجرین کے سر منڈھا کرتے تھے۔ اب آپ نے پنجاب سے آنے والوں کو مہاجر کہا۔ ولی خان صاحب! کیا آپ چاہتے ہیں کہ ہم بھی پنجاب میں بیٹھ کر یہ نعرہ بلند کریں کہ مشرقی پنجاب سے آنے والے تو ہمارے بھائی ہیں، مگر اٹک کے اس پار سے آنے والے پٹھان مہاجر ہیں اور پھر آپ ہی کے لفظوں کے پیچھے چھپے ہوئے فلسفے کے مطابق اگلے مرحلے پر پنجاب میں بسنے والے پٹھان ''مہاجروں'' کو واپس پشاور لوٹنے کا مشورہ دیا جائے لیکن بات کو

آگے بڑھانے سے پہلے ایک واقعہ سن لیجئے، سوفیصد سچا واقعہ:
میں چندسال پہلے ''جنگ'' میں ڈپٹی ایڈیٹر تھا اور جنگ فورم کی نگرانی بھی میرے سپرد تھی۔ ہم نے ایم کیو ایم کے رہنما عظیم طارق کو فورم میں دعوت دی۔ انہوں نے حسب معمول دھواں دار تقریر کی اور یہاں تک کہہ دیا کہ کراچی اور سندھ کے شہروں میں پنجابیوں کو رہنے کا کوئی حق حاصل نہیں۔ اس پر حاضرین میں سے سوال کیا گیا کہ کیا آپ چاہتے ہیں کہ لاہور میں اور پنجاب کے دوسرے شہروں سے جتنے اردو بولنے والے مہاجر ہیں، انہیں کراچی اور حیدر آباد کے پنجابیوں کے بدلے میں کراچی بھیج دیا جائے۔ اس پر عظیم طارق بگڑ گئے۔ انہوں نے کہا کہ پنجاب میں وہ صورتحال نہیں ہے، یہاں مہاجر مقامی لوگوں سے گھل مل گئے ہیں۔ اس بوگس جواب پر نکتہ چینی ہوئی تو وہ بحث ادھوری چھوڑ کر ہال سے نکل گئے اور اخبار کے ایڈیٹر سے جا کر میری شکایت کی کہ ان کی ہال میں بے عزتی کی گئی ہے، حالانکہ میں نے ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا۔ سارے سوال و جواب حاضرین اور مہمان صاحب کے مابین ہوئے تھے۔ میں نے تو محض میزبانی کی تھی۔

سو محترم خان صاحب! میں اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتا کہ آپ کا تصور پاکستان کیا ہے؟ لیکن یہ ضرور عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یہ برصغیر کے مسلمانوں کیلئے انگریز سے نجات کے ساتھ ساتھ دو قومی نظریہ کے تحت ہندو سے الگ ہو کر ایک مثالی فلاحی ریاست کے قیام کا منصوبہ تھا، جسے قائد اعظمؒ کی زیر قیادت تکمیل تک پہنچایا گیا۔ آج کے پاکستان کو مزید انتظامی یونٹوں میں تقسیم کرنا مقصود ہے تو اتفاق رائے سے کرلیں، نئے صوبے بنانے ہیں تو بھی آئین میں ترمیم سے بن سکتے ہیں۔ پنجاب کی آبادی زیادہ لگتی ہے تو اس میں پنجاب کے رہنے والوں کا کیا قصور ہے؟ اتفاق رائے سے صوبوں کی تنظیم نو کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ شاید سندھ کے بھی دو صوبے ہونے چاہئیں۔ ہر ڈویژن پر مشتمل صوبے کے قیام کی تجویز بھی پیش کی جاتی رہی ہے۔ تا کہ لسانی بنیادوں کو ہوا نہ مل سکے اس پر بھی بات ہو سکتی ہے۔ کسی بھی صوبے کے نام کی تبدیلی بھی کوئی ایسا بڑا مسئلہ نہیں کہ اگر یہ نہ ہو تو اچانک آپ کو 1973ء کا وہ آئین بھی قابل اعتراض نظر آنے لگے اور آپ کہیں کہ اس میں پنجاب کے ارکان قومی اسمبلی کیوں زیادہ ہیں؟ حالانکہ آپ خود اس پر دستخط کرنے والوں میں شامل تھے۔

آپ تو ہمیشہ 73ء کے آئین کو اس کی اصل شکل میں بحال کرنے پر زور دیا کرتے تھے۔ یہ آج آپ کو اس میں پنجاب کے زیادہ ارکان قومی اسمبلی کیوں برے لگنے لگے اور جناب یہ وفاق ہے اور وفاقی پارلیمانی نظام پہلی بار 1973ء کے دستور میں لایا ہی اس لیے گیا تھا کہ اب ملک میں دو منتخب ایوان ہونگے۔ قومی اسمبلی آبادی کی بنیاد پر اور سینٹ صوبے کی اکائی کی بنیاد پر، جی ہاں! سرحد کے ارکان اسمبلی یقیناً 26 ہیں مگر سینٹ میں آپ کی نمائندگی 18 ہے اور 115 ممبران قومی اسمبلی والے پنجاب کی نمائندگی بھی سینٹ میں صرف 18 ہے اور بلوچستان کے چند ارکان قومی اسمبلی کے مقابلے میں وہاں سے بھی، اور سندھ سے بھی ارکان سینٹ فی صوبہ 18 ہی ہیں۔ کیا وہ ایوان والا نظام، آبادی کے اعتبار سے چھوٹے صوبوں کیلئے نہیں بنایا گیا۔ کیا پنجاب کو بھی اس پر اعتراض کرنا چاہیے کہ ہمارے 115 ارکان قومی اسمبلی ہیں تو سینٹ میں رکنیت بلوچستان، سندھ یا سرحد کی طرح 18 سینٹروں پر مشتمل کیوں ہے؟ نہیں جناب والا ہم آئین کے مطابق چلنا چاہتے ہیں۔ متفقہ آئین سے انحراف آپ نے کس مقصد سے شروع کیا؟ طے شدہ مسئلوں کو کون اٹھا رہا ہے؟ اور 1947ء میں بننے والے پاکستان میں صوبہ سرحد کا نام ہم پنجاب والوں نے تو نہیں رکھا تھا۔ یہ نام تو انگریز نے دیا تھا۔ یہ آج 50 سال بعد اچانک پختونخوا آپ کیلئے زندگی یا موت کا مسئلہ کیسے بن گیا؟ ویسے ایک سوال یہ ضرور کرنا چاہوں گا کہ قیام پاکستان کے وقت تو سرحد میں آپ کی حکومت تھی، آپ کے چچا ڈاکٹر خان صاحب وزیر اعلیٰ تھے۔ آپ نے اس وقت اس صوبے کا نام کیوں تبدیل نہیں کیا؟ اس وقت قرارداد صوبائی اسمبلی نے کیوں منظور نہیں کی؟

جناب ولی خان صاحب! آپ نے اپنی تقریر میں کہا ہے کہ بلی تھیلے سے باہر آ گئی ہے۔ یہاں لوگ یہ پڑھ کر بار بار ہمارے دفتروں میں فون کرتے رہے کہ بلی تو خان صاحب کے تھیلے سے باہر آئی ہے، کیا جی ایم سید کے بیٹے کا باچا خان کی برسی کو حج اور عمرے کی سعادت قرار دینا (شکر ہے، انہوں نے آپ کو پیغمبر قرار نہیں دے دیا)، فوج کو بجٹ کا بڑا حصہ نہ دینے کی تقریریں، سرخ ٹوپیوں کے سیلاب میں آپ کا جذبات پر کنٹرول نہ رکھ سکنا اور اس طرح کے اعلانات کہ اگر ہم ''اپنی بجلی'' ہی لے لیں تو ہمارا صوبہ امیر ترین بن سکتا ہے۔ یہ سب کیا ہے؟ کیا واقعی ''اپنی بجلی'' بنانے پر ایک ہی صوبے کے وسائل خرچ ہوئے تھے؟ کیا 1973ء کے

آئین میں مرکز کو دیئے جانے والے اختیارات بھی اب آپ کو تکلیف دینے لگے ہیں؟ کیا آپ کی نظر ''اپنی بجلی'' پر اس لیے ہے کہ آپ مستقبل میں ''خاکم بدہن'' پاکستان کا جو نقشہ دیکھ رہے ہیں یا دیکھنا چاہتے ہیں، اس میں جس علاقے میں ''اپنی بجلی'' پیدا کرنے والا ڈیم ہے، وہ سرحد میں واقع ہے۔ شاید اسی لیے کالا باغ ڈیم آپ کو منظور نہیں کہ یہ پنجاب میں ہوگا۔ کیا ابھی سے ہم نے پورے ملک کے وسائل اور پورے ملک کے عوام پر قرضوں کے بوجھ سے بننے والے بڑے منصوبوں پر نظر رکھنی شروع کر دی ہے کہ یہ کس صوبے کے حصے میں آئیں گے اور کیا پختونخوا سے آگے ''پختونستان ہمارا وطن'' کے نعرے ظاہر نہیں کرتے کہ بلی لاہور میں نہیں پشاور میں تھیلے سے باہر آئی ہے۔

اور جناب ولی خان! آپ کے لوگ بار بار گنتی کر کے بات کرتے ہیں، کچھ گنتی ہم بھی آپ سے کروانا چاہتے ہیں۔ نواز شریف صاحب اور شہباز شریف صاحب کیا کرتے ہیں؟ وہ جانیں یا ان کا کام کیونکہ ہم ان کے ترجمان نہیں ہیں لیکن میں آپ کو پھر ایک واقعہ سنانا چاہتا ہوں:

وزیراعلیٰ پنجاب نے اخبارات کے ایڈیٹروں کو بریفنگ پر بلایا، موضوع تھا دہشت گردی، تاریخ تھی۔ مومن پورہ کے واقعات سے چند روز بعد۔ کھانے کی میز پر میں نے شہباز شریف سے کہا کہ جناب آج مسلم لیگ کے ایک کندھے پر ایم کیو ایم ہے اور دوسرے پر اے این پی ہم تو یہ محسوس کرتے ہیں کہ آپ کے یہ دونوں حلیف آپ پر دباؤ بڑھا رہے ہیں اور کیا ہو سکتا ہے کہ آپ سیاسی بلیک میلنگ کا نشانہ بن جائیں۔

شہباز شریف صاحب نے وہی پرانی منطق دہرائی...... ''ہم نے ماضی کی انتہا پسند اور مرکز گریز کے الزامات والی پارٹیوں کو محبت اور خلوص سے پاکستان کی قومی سیاست کے دھارے میں اپنے ساتھ لا کھڑا کیا ہے''۔ میرا جواب تھا مگر کس قیمت پر اور کب تک...... کیونکہ مسلم لیگ اگر واقعی قائداعظمؒ والی مسلم لیگ سے تھوڑا بہت تعلق بھی رکھتی ہے تو زبان یا رنگ و نسل کی بنیاد پر معرض وجود میں آنے والی جماعتیں نظریاتی طور پر کتنی دیر اس کے ساتھ چل سکتی ہیں؟ اور شہباز شریف صاحب! اگر آپ اپنی اصل چھوڑ دیں گے تو پھر آپ کس منہ سے مسلم لیگی کہلائیں گے، کیونکہ آپ پاکستان کو ایک قوم کا ملک سمجھتے ہیں۔

آج یقیناً انہیں میری باتیں یاد آنی چاہئیں۔

اور خان صاحب! آج آپ جس سیاسی قوت کا بار بار ذکر کرتے ہیں، یہ کہاں سے آئی؟ یہ کچھ اعداد و شمار میرے پاس بھی ہیں۔ڈیڑھ اور دو ضلعوں کا طعنہ نہیں دیتا، صرف حقیقت بیان کرتا ہوں۔سابق نیپ اور موجودہ اے این پی کا کریڈٹ کارڈ ملاحظہ ہو۔

ہوسکتا ہے ایک دو سینٹ کا فرق ہو، مگر جلدی میں یہ اعداد و شمار ہی ملے ہیں، آپ بے شک غلطی درست کرلیں۔

1970ء کا الیکشن

قومی اسمبلی	صوبائی اسمبلی
6 سیٹیں	13 سیٹیں

1977ء کا الیکشن

4 سیٹیں	بائیکاٹ

1988ء کا الیکشن

2 سیٹیں	13 سیٹیں

1990ء کا الیکشن

6 سیٹیں	21 سیٹیں

1993ء کا الیکشن

3 سیٹیں	21 سیٹیں

1997ء کا الیکشن

10 سیٹیں	29 سیٹیں
بعد میں شامل ہونے والے	3+
کل	32 سیٹیں

محترم خان صاحب! کیا یہ اعداد و شمار ثابت نہیں کرتے کہ نیپ یا اے این پی نے تنہا الیکشن لڑا تو کیا حالت تھی مگر پی این اے، آئی جے آئی یا مسلم لیگ کے ساتھ مشترکہ لڑا یا سیٹ ایڈجسٹمنٹ کی اور ان کے ووٹ بھی لیے تو کیا حاصل ہوا۔

1997ء میں بھی مسلم لیگی ووٹوں کی مدد سے جو سیٹیں جیتیں کیا اس وقت آپ کا مطالبہ اور منشور یہ تھا کہ سرحد کا نام پختونخواہ رکھیں گے، ''اپنی بجلی'' پر قبضہ کریں گے، پنجابی کو سرحد میں مہاجر کہیں گے؟ اگر ایسا نہیں تھا تو کیا حرج ہے۔ ایک بار نئے الیکشن میں جائیں اور اپنے پشاور کے جلسے کی تقریروں پر مسلم لیگ یا کسی دوسری قومی سیاسی جماعت کے تعاون کے بغیر اپنے نئے منشور اور ''اعلان پشاور'' پر صوبے میں اپنی حمایت کا اندازہ کر لیں۔ اگر نئے الیکشن کے بعد معرض وجود میں آنے والی اسمبلی میں بھی تنہا اے این پی کی اکثریت ہوئی تو ضرور نام تبدیل کر لیجئے گا۔ اس وقت تک عزت کرنا اور عزت کروانا ہی بہتر ہے۔

ضیا شاہد اور ولی خاں

حقائق وہ نہیں تھے، یہ ہیں

قارئین کرام!

صوبہ سرحد کے نام کی تبدیلی کے حوالے سے جو بحث شروع ہوئی، اس پر ''خبریں'' کی طرف سے ہم اپنا نقطہ نظر واضح کر چکے ہیں کہ اگر صوبے کے لوگ کثرت رائے سے چاہتے ہیں کہ نام تبدیل ہو تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہئے۔ البتہ مسئلہ یہ ہے کہ اس کا تعین کیسے کیا جائے۔ صوبائی اسمبلی میں اے این پی کے جو ارکان بیٹھے ہیں، ان کو مسلم لیگ کے ووٹ بھی ملے، کیونکہ سیٹ ایڈجسٹمنٹ ہو چکی تھی اور اے این پی اور مسلم لیگ الیکشن میں اتحادی جماعتیں تھیں۔ لہٰذا بہترین حل یہ ہے کہ صوبے میں ریفرنڈم کرا لیا جائے اور عوام جو فیصلہ دیں، اس پر عمل کر لیا جائے۔

لیکن جس نقطے کی طرف ہم بار بار اشارہ کر رہے ہیں، وہ ہے نام کی آڑ میں ان بحثوں کا آغاز، جن سے ملکی سلیت پر آنچ آ رہی ہے۔ کبھی کہا جاتا ہے کہ قائداعظمؒ پر تنقید کیوں نہیں کی جاسکتی، کبھی دھمکی ملتی ہے کہ پاکستان میں رہنے پر غور کریں گے، کبھی آئین 1973ء پر دستخط کرنے والے ولی خان اعتراض اٹھاتے ہیں کہ قومی اسمبلی میں پنجاب کی نشستیں کیوں زیادہ ہیں (حالانکہ آئین 1973ء میں صوبوں کی یکساں نمائندگی پر مشتمل ایوان بالا یعنی سینٹ اسی اعتراض کو دور کرنے کیلئے بنایا گیا تھا)، کبھی مرکز میں مسلم لیگ کی حکومت کو ون یونٹ کا نام دیا جاتا ہے۔ حالانکہ اسی مسلم لیگی ووٹر کے کندھوں پر سوار ہو کر اے این پی نے سرحد میں اپنی سیٹیں زیادہ کیں اور قومی دھارے کی سیاست میں شامل ہو کر پنجاب اور دیگر صوبوں میں اپنا سیاسی قد بنایا، مرکز اور صوبے میں مرضی کی وزارتیں لیں۔ سرحد میں ''پنجابی مہاجرین'' کا نقطہ بھی خان اعظم نے پشاور میں تقریر کے دوران اٹھایا اور اگرچہ ہمارے بزرگ دوست اجمل خٹک نے بطور صدر اے این پی اس کی تردید کی، مگر ہم ان کے وعدے کے مطابق منتظر ہیں کہ وہ

ہمیں پشاور کے جلسہ عام کے کیسٹ ارسال کریں تا کہ اگر واقعی ولی خان صاحب نے ایسا کچھ نہیں کہا تو اس کی وضاحت ہو سکے۔ ہم نے بہرصورت ان کا نقطہ نظر ہمیشہ ایمان داری سے پیش کیا ہے اور جو کچھ لکھ رہے ہیں، اس پر بھی ان کا کوئی ردعمل آتا ہے تو اسے بھی پیش کرتے رہیں گے۔

جواب دینا ضروری کیوں ہوا؟

قارئین محترم! آج جس مسئلے پر میں قلم اٹھا رہا ہوں، سچی بات یہ ہے کہ دل دکھا ہوا ہے اور انتہائی مجبوری کے عالم میں ولی خان اور ان کے آباؤ اجداد کا تذکرہ چھیڑا ہے، فطرتاً میں بڑوں کی عزت کرنے والا آدمی ہوں۔ مخاطب اپنے سے عمر میں بڑا ہو اور اس کی بات اچھی نہ لگے تو بھی میری تربیت اور میرا مزاج دونوں مجھے خاموش رہنے پر مجبور کرتے ہیں۔ میں زندگی بھر اس اصول کو پسند کرتا رہا کہ بڑوں کا احترام نہ کرنے والا ''بے ادب بے نصیب'' ہوتا ہے۔ اگر کسی کے بڑے سے کوئی غلطی ہوئی ہے تو بھی خیال ہوتا ہے کہ درگزر کریں۔ کیا پتہ اس وقت کے حالات کیا ہوں' اور وہ کن مجبوریوں کے تحت ایسا کر رہا ہو؟ لیکن یقین جانیں، دو باتوں نے مجھے مجبور کیا ہے۔

اول یہ کہ قائداعظمؒ اور پاکستان پر ناروا الزامات کے ساتھ ساتھ پنجاب اور اہل پنجاب کو بلاوجہ گالی کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔

دوسرے ستم یہ کہ مسلم لیگ کی حکومت اپنے سیاسی حلیفوں سے مصلحتوں کی خاطر مسلسل صرف نظر کر رہی ہے۔

ادھر سے تڑی ملتی ہے کہ قائداعظمؒ پر تنقید کوئی جرم نہیں ۔ ادھر سے قائداعظم کے سیاسی وارث جواب دیتے ہیں کہ اے این پی کے خلاف بیان بازی بند کریں۔

قبلہ خان صاحب جلسہ عام میں فرماتے ہیں کہ پنجاب کی سیٹیں زیادہ کیوں ہیں (گویا آئین 1973ء پر دستخط کرنے والے ہی اس سے انحراف کر رہے ہیں)۔

لیکن ادھر سے صدر مسلم لیگ نواز شریف صاحب کا بیان چھپتا ہے' بلکہ سرٹیفکیٹ ملتا ہے کہ ولی خان سے بڑا کوئی سیاستدان نہیں اور وہ ایک عظیم رہنما ہیں۔

بی بی نسیم ولی خان اخبارات کے ذریعے پیغام بھجواتی ہیں کہ پختونخوا منظور کرو، ورنہ پاکستان میں رہنے پر غور کریں گے۔

ادھر سے وفاقی حکومت اور حکمران جماعت کے سرکردہ رہنما اور صوبائی رابطے کے وزیر نثار علی خان فرمان جاری کرتے ہیں کہ سب ٹھیک ہو جائے گا اور کوئی مسلم لیگی وزیر جوابی بیان نہ دے۔

ہم مانتے ہیں کہ حکومت کی اپنی مجبوریاں ہوتی ہیں، ہوتی ہوں گی، حلیفوں کو ساتھ رکھنے کیلئے حکمران کیا پالیسی اپناتے ہیں، اس کا جواب وہ خود فراہم کر سکتے ہیں، یہ ہمارا مسئلہ نہیں۔ البتہ کیا ہم ولی خان صاحب اور اے این پی کے دوسرے سرکردہ افراد کے دلوں میں قائداعظمؒ اور پاکستان کے بارے میں چھپی ہوئی نفرت اور وقتاً فوقتاً اس نفرت کے اظہار پر خاموش رہیں اور کیا مزید چپ رہنا پاکستان اور تحریک پاکستان سے غداری نہ ہوگی؟

البتہ ہم ایک بار پھر عرض کر دیتے ہیں کہ یہ بحث ہم نے نہیں، انہوں نے شروع کی ہے۔ قیام پاکستان سے نصف صدی بعد ''حقائق حقائق'' کا کھیل ولی خان صاحب نے آغاز کیا۔ قائداعظمؒ کو انگریز کا آلہ کار اور پاکستان کو انگریز کی سازش، انہوں نے کہا' اور اب پختونخوا کی آڑ میں ایک بار پھر قیام پاکستان کے بنیادی محرکات اور متفقہ آئین سے لے کر تحریک پاکستان کی مقتدر ترین شخصیات پر دشنام طرازی اور لعن طعن کا کام ادھر سے شروع ہوا ہے اور پاکستانی مسلمان اتنا بے غیرت بھی نہیں ہو سکتا کہ سب کچھ سن کر خاموش بیٹھا رہے۔

سو ولی خان صاحب! آپ عمر میں ہم سے بڑے سہی، ''محقق اعظم'' سہی، لیکن چار کتابیں ہم نے بھی پڑھی ہیں۔ جو کہیں گے، ہم بھی کتابوں کی مدد سے کہیں گے۔ آیئے! دیکھیں: حقائق وہ ہیں جو آپ نے ''حقائق حقائق ہیں'' میں تلاش کئے یا حقائق وہ ہیں جو ہم بڑی عاجزی سے آپ کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں، اور جن کی روشنی میں جائزہ لیا جا سکتا ہے کہ انگریز کے نمک خوار یا اس کے لئے سازشی قائداعظمؒ تھے یا آپ کے والد خان عبدالغفار خان اور آپ کے چچا ڈاکٹر خان صاحب۔ بحث بہت لمبی ہے، لیکن ہم نے دریا کو کوزے میں اور سمندر کو حباب میں بند کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہم آپ سے محاذ آرائی نہیں چاہتے۔ آپ کو آپ کے خیالات مبارک ہوں، کیونکہ بقول شاعر آپ

اس عمر میں کیا خاک ''مسلماں'' ہوں گے

لیکن یہ بھی ضروری ہے کہ آپ کی ''تحقیقات'' اور ''گولہ باری'' کے نتیجے میں خود ہماری نئ نسل کے ذہنوں میں شکوک وشبہات نہ پیدا ہو جائیں، کیونکہ اگر ہم چپ رہے تو کہیں یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ ولی خان، نسیم ولی خان اور فرید طوفان سچے ہیں۔

قارئین کرام! عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ ولی خان کے بزرگ، بالخصوص خان غفار خاں کے آباؤ اجداد شروع ہی سے انگریز کے خلاف تھے، اور خدائی خدمت گار تحریک اور آج کل اے این پی کے سرکردہ حضرات اس بات پر ہمیشہ فخر کرتے رہے ہیں کہ ہم نے انگریز کے خلاف جنگ لڑی۔ قائداعظمؒ کے خلاف ولی خان نے اپنی کتاب ''حقائق حقائق ہیں'' میں جابجا یہ الزام عائد کئے ہیں کہ پاکستان انگریز کی سازش تھی۔ گویا قائداعظمؒ اندر سے انگریز سے ملے ہوئے تھے، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ بانی پاکستان کی زندگی آج ایک کھلی کتاب کی طرح ہے۔ ان کی جائیداد، ان کی آمدنی، ان کے عزیز واقارب کے حالات، کیا کسی جگہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ انہیں یا ان کے آباؤ اجداد کو انگریز سے کچھ ملا ہو، کوئی انعام کوئی اکرام، کوئی خطاب، کوئی جائیداد، کوئی جاگیر۔ اس کے برعکس سرحد کی اس سب سے معروف ''قوم پرست'' اور پختونخوا فیملی سے انگریز بہادر کے تعلقات کس نوعیت کے تھے، آیئے دیکھتے ہیں:

انگریز سے جاگیریں حاصل کرنے والی خان فیملی

گاندھی کے پرائیویٹ سیکرٹری مہادیو ڈیسائی نے خان برادران یعنی ولی خان کے والد عبدالغفار خاں عرف باچا خان اور ان کے بھائی ڈاکٹر خان صاحب کی زندگی پر ایک کتاب لکھی ہے، جس کا عنوان ہے، ''TWO SERVANTS OF GOD''۔ یعنی خدا کے دو خدمت گار۔ یہ کتاب 1935 شائع ہوئی اور اس کا دیباچہ خود گاندھی نے لکھا۔ یہ کتاب جامعہ پریس دہلی نے چھاپی تھی۔

مہادیو ڈیسائی کی کتاب سے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

''خان عبدالغفار خان نے مجھ سے خود فرمایا کہ یہ خان کا درجہ جو زمینداری کے مترادف ہے، برطانیہ کی ایجاد ہے۔ زمینداریاں اس لئے قائم کی گئیں کہ انگریز کے نظام حکومت کو امداد

ملے۔ 1848ء میں برطانوی حکومت کے کوئی پچیس سال بعد خود میرے دادا سیف اللہ خان کو سینکڑوں ایکڑ زمین دے کر خان بنایا گیا۔''

معروف مؤرّخ اور خان عبدالغفار خاں کے مشہور سوانح نگار ڈی جی ٹنڈولکر نے بھی اپنی کتاب'' ABDUL GHAFFAR KHAN میں بھی انگریز کی طرف سے ملنے والی جاگیر کا ذکر کیا ہے۔ یہ کتاب گاندھی پیس فاؤنڈیشن نے بمبئی سے 1967ء میں چھاپی۔ اس کے الفاظ یہ ہیں، غفار خان کہتے ہیں:

''میرے دادا کو انگریز نے سینکڑوں ایکڑ اراضی دے کر خان کا درجہ عطا کیا۔''

1857ء کی جنگ آزادی اور انگریز کی ایجنٹی

جیسا کہ دعویٰ کیا جاتا ہے، ولی خان کے بزرگوں کو تو 1857ء کے غدر میں (جسے جنگ آزادی کے نام سے یاد کرتے ہیں) انگریز کے خلاف جنگ لڑنی چاہئے تھی، کیونکہ یہ حریت پسند خاندان کہلوانا پسند کرتا ہے۔ گاندھی کے سیکرٹری مہادیو ڈیسائی کی کتاب کا ایک اور اقتباس جو صفحہ 18,17 پر ہے، ملاحظہ کریں:

''خان برادران کے والد (بہرام خان) نے 1926ء میں انتقال کیا۔ اگرچہ انہیں اپنی تاریخ پیدائش کا علم نہ تھا، لیکن ان کے لڑکوں کا خیال ہے کہ اگر ان کی عمر زیادہ نہیں تو سو برس ضرور ہوگی، کیونکہ انہیں 1857ء کا غدر اچھی طرح یاد ہے، کیونکہ اس وقت ان کا عنفوان شباب تھا۔ پٹھانوں کے اس نازک دور کی کارکردگی پر وہ کبھی فخر نہ کرتے تھے۔ یہاں پر احساس شرمندگی کے ساتھ دونوں بھائیوں نے ان واقعات کا ذکر کیا، جو ان کے والد بیان کرتے تھے کہ کس خوبی اور بہادری سے ان کے بڑے چچا نے چارسدہ کے خزانہ کے فوجی گارڈ کی کمان کی تھی۔''

''میں نے انہیں ٹوکا کہ اس میں شرم کی کون سی بات ہے کیونکہ مجھے یاد ہے کہ پنڈت موتی لعل جی بھی کہا کرتے تھے کہ ان کے والد اور چچا نے بھی غدر میں انگریزوں کی خدمات انجام دی تھیں۔''

اب ایک اور حوالہ دیکھیں:

1945ء میں خان غازی کابلی نے ایک کتاب لکھی، جس کا عنوان تھا ''تحریک خدائی خدمت گار'' اسے نرائن دت سہگل اینڈ سنز نے چھاپا تھا۔ خان غازی کابلی نے اس کتاب کی تیاری کیلئے سرحد کا دورہ بھی کیا اور بہت سے لوگوں سے باچا خان سمیت ملے۔ صفحہ 14 پر وہ لکھتے ہیں:

''خان عبدالغفار خان کے والد بہرام خان کو انگریزوں نے سینکڑوں ایکڑ زمین دے کر جاگیردار بنایا تھا اور انگریزوں سے ان کے بہت اچھے تعلقات تھے۔ علاقہ کے انگریز افسران کو چچا کہا کرتے تھے۔ بہر حال اتمان زئی (ولی خان کا آبائی علاقہ) کے لوگوں نے اور بہرام خان نے انقلاب 1857ء کو ناکام بنانے میں بڑی مدد دی تھی۔''

ایک اور حوالہ تاریخ ہزارہ کے مصنف ڈاکٹر شیر بہادر خان اپنی کتاب ''دیدہ وشنیدہ'' سے ہے یہ دارالشفاء ایبٹ آباد نے چھاپی تھی۔ لکھتے ہیں:

''غفار خان اتمان زئی ہشت نگر کے ایک مشہور خان بہرام خان کے فرزند ہیں۔ تاریخ پیدائش 1890ء ہے۔ ان کے والد اتمان زئی کے ایک بڑے خان تھے۔ 1857ء کے ہنگاموں میں انگریزوں کی معاونت کی اور سینکڑوں جریب اراضی جاگیر میں پائی۔''

بھارتی اخبار ''ہندوستان ٹائمز'' کی بھی سنیئے۔ یکم جنوری 1986ء کو اخبار لکھتا ہے:

''خان عبدالغفار خان 1890ء میں تحصیل چارسدہ ضلع پشاور کے اتمان زئی گاؤں میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد بہرام خان اس گاؤں کے مکھیا تھے، یعنی نمبردار۔ 1857ء کی جنگ آزادی میں حریت طلب ہندوستان کے خلاف انگریزوں کو مدد دی، اور اس مدد کے بدلے میں انگریزوں نے بھاری جاگیر دی۔''

کیا ان اقتباسات سے ثابت نہیں ہو جاتا کہ یہ خاندان، جس پر جناب ولی خان غرور کرتے ہیں، خود انگریز سے جاگیریں لینے والا خاندان تھا۔ اسی جاگیر پر آج ولی خان صاحب بیٹھے ہیں۔ پھر انگریز کا اندر سے حامی کون ہو سکتا تھا؟ کیا ولی خان صاحب ہمارے بانی پاکستان کے بارے میں بھی ثابت کر سکتے ہیں کہ انہوں نے یا ان کے آباؤ اجداد نے انگریز سے کوئی زمین، جاگیر، پیسہ، وظیفہ لیا۔ اور اب آیئے نئی بحث کی طرف۔

خان برادران انگریز کے دشمن یا دوست؟

قارئین محترم! درج ذیل اقتباس ذرا غور سے پڑھیے۔ لکھنے والے گاندھی کے سیکرٹری مہادیو ڈیسائی ہیں۔ کتاب ''دو خدائی خدمت گار'' صفحہ 66,65 پر ولی خان کے تایا ڈاکٹر خان صاحب کے بارے میں لکھا ہے:

''اب خان برادران کے متعلق چند باتیں عرض کرتا ہوں، تاکہ انگریزوں کو ان کے مخالفانہ جذبات اور سرگرمیوں سے جو توہمات پیدا ہو گئے ہیں وہ رفع ہو جائیں۔ میں ان کے خاندان کے خاص خاص افراد ناظرین کے سامنے پیش کروں گا۔ یہ تو آپ جانتے ہوں گے کہ بڑے بھائی (ڈاکٹر خان صاحب) کی بیوی انگریز ہیں، گورنر کرنل رالف گرفتھ کی بیوی کی گہری دوست تھیں، اور کرنل موصوف بھی بارہا ڈاکٹر صاحب کے مہمان ہوئے ہیں۔ ڈاکٹر خان صاحب کے ایک لڑکے نے ابھی ابھی لندن یونیورسٹی سے میٹریکولیشن کیا ہے اور آکسفورڈ میں مزید تعلیم حاصل کرنے کا ارادہ ہے۔ ان کی لڑکی اور خان عبدالغفار خاں کی لڑکی (جواب تک مسز خان کی سرپرستی میں تھیں، دونوں) انگلستان کے ایک سکول میں تعلیم پاتی تھیں۔''

آگے چل کر ڈیسائی مزید لکھتے ہیں:

''سوویت حکومت سے دونوں بھائی (خان برادران) اتنے ہی خوفزدہ ہیں، جتنے برٹش راج سے۔''

قارئین محترم! واضح رہے کہ یہ کتاب خان برادران یعنی ولی خان صاحب کے کسی مخالف نے نہیں لکھی، اور ڈیسائی صاحب کی اس کتاب کا دیباچہ گاندھی کے قلم سے ہے۔ بڑے گاندھی سرحد میں اپنے چھوٹے گاندھیوں کے بارے میں اپنے سیکرٹری کے قلم سے انگریز کو صفائیاں دلوا رہے ہیں کہ آپ خان برادران کو ہرگز ہرگز افغانی انقلاب پسند یا سوویت جمہوریت کے حامی نہ سمجھیں۔ یہ تو جناب انگریز بہادر، آپ کے حامی ہیں۔

انگریز کی حمایت میں کانگریس کی حکم عدولی

قارئین محترم! اب ڈاکٹر شیر بہادر خان پنی کی کتاب ''دیدہ شنیدہ'' سے چند ایک اقتباسات اور ملاحظہ ہوں:

''ڈاکٹر خان صاحب کی سب سے بڑی کمزوری ان کی انگریز بیوی تھی' جس کے ذریعے ڈاکٹر صاحب کی صوبہ سرحد کے انگریز گورنر سر جارج کننگھم سے گاڑھی چھننے لگی۔ حالانکہ انگریز گورنر نے سرخ پوشوں اور خدائی خدمت گاروں پر بے پناہ ظلم ڈھائے تھے۔ ڈاکٹر خان صاحب نے تقسیم ہند سے قبل اپنی پہلی وزارت کے دوران گورنر سرحد کے ایما پر لارڈ لنلتھگو وائسرائے ہند کا استقبال پشاور آنے پر سرگرمی سے کیا۔ حالانکہ ڈاکٹر صاحب صوبے میں کانگریسی وزیر تھے اور یہ بھی روایت ہے کہ گاندھی جی کا دہلی سے تار آیا تھا کہ استقبال نہ کریں۔ مگر ڈاکٹر خان صاحب نے کہا میں ضرور استقبال کروں گا۔ یہ میرے صوبے میں آئے ہیں اور میرے مہمان ہیں۔

صوبہ سرحد کے گورنر کننگھم نے اپنی ڈائری میں لکھا ہے، جس کا ترجمہ یوں ہے:

''سکندر مرزا نے ڈاکٹر خان صاحب کے بارے میں بتایا کہ وہ کشمیر جا چکے ہیں۔ میں نے انہیں پیغام بھیجا کہ اگر خان صاحب نے ''انگریزو! ہندوستان چھوڑ دو'' کی تحریک میں حصہ لیا تو انہیں چاہیے کہ پہلے میرے پاس آئیں اور میرے سامنے یہ الفاظ کہیں، کیونکہ میں اس صورت میں ان کے الفاظ پر عمل کروں گا اور مسز خان صاحب کو اپنے ساتھ انگلستان لے جاؤں گا کیونکہ وہ ایک انگریز لیڈی ہیں۔''

خود خان عبدالغفار خان اپنے بھائی اور ولی خان کے تایا ڈاکٹر خان صاحب کے بارے میں اپنی کتاب ''زما ژوندا و جدوجہد'' میں لکھتے ہیں:

میں ڈاکٹر خان صاحب کے انگریزوں سے اس قسم کے تعلقات کو بڑا خطرناک سمجھتا تھا، کیونکہ ان پر مجلس کا اثر بہت ہوتا ہے وہ جب انگلستان سے آئے تھے تو ان پر انگریزوں کا بڑا اثر تھا۔ وہ ان کو پاک اور سچے دکھائی دیتے تھے اور اپنی قوم (یعنی پختون) کے لوگ ان کو جھوٹے نظر آرہے تھے۔ میں مانتا ہوں کہ انگریز پاک اور سچے لوگ ہیں۔ مگر دوسری قوم کیلئے خصوصاً سیاست میں ایسے نہیں ہیں۔

ڈاکٹر خان کی بیوی اور بچے کے لئے انگریز کا وظیفہ

قارئین کرام! یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ ڈاکٹر خان صاحب (یعنی ولی خان کے تایا) پر

انگریز حکومت کی مہربانیاں اس قدر تھیں کہ ان کی انگریز بیوی اور بچے کو حکومت کی طرف سے الگ وظیفہ ملتا تھا۔ اس کا ثبوت ملاحظہ ہو۔ ذیل میں خود انگریزی حکومت کی سرکاری خط و کتابت سے ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے:

When pointed out by an official that the allowance was paid in respect of Dr. Khan Sahib`s English wife and son and not in respect of Abdul Ghaffar`s daughter, Mr Hallett wrote to the Secretary of the Frontier Government: "I enclose a copy of an intercepted letter which may interest your Government."

''جب ایک افسر نے اس کی طرف توجہ دلائی کہ الاؤنس ڈاکٹر خان صاحب کی انگریز بیوی اور بیٹے کو دیا جاتا تھا، نہ کہ عبدالغفار خان کی بیٹی کو۔ تو مسٹر ہیلمٹ نے سیکرٹری سرحد حکومت کو لکھا ('' میں خط کی کاپی آپ کو بھیج رہا ہوں۔ ہوسکتا ہے یہ حکومت کیلئے دلچسپی کا باعث ہو۔''

قارئین کرام! یہ بات تمام کتب اور حوالہ جات سے ثابت ہے کہ ولی خان کے تایا (یعنی ڈاکٹر خان صاحب) کا اصلی نام عبدالجبار خان تھا۔ خان صاحب نام کا حصہ نہیں تھا بلکہ انگریز کا دیا ہوا خطاب تھا۔ زندگی بھر انہوں نے اپنا نام نہیں خطاب ہی استعمال کیا اور پاکستان بننے سے پہلے وہ سرحد کے وزیر اعلیٰ رہے۔ بعدازاں 1956ء میں سکندر مرزا نے انہیں مغربی پاکستان کا گورنر بنایا۔ ایک بھائی کو چھوڑ کر اب دوسرے بھائی پر آتے ہیں۔ یعنی ولی خان کے والد عبدالغفار خان عرف بادشاہ خان یا باچا خان کی طرف۔

باچا خان کی انگریز دوستی

محترم قارئین! سر اولف کیرو صوبہ سرحد کے انگریز گورنر تھے، جب مسلم لیگ کے مطالبے پر سرحد میں ریفرنڈم ہوا، غفار خان اور ڈاکٹر خان صاحب (یعنی ولی خان کے والد اور تایا) نے ریفرنڈم کے بارے میں سر اولف کیرو پر الزام عائد کیا کہ غیر جانبدارانہ ریفرنڈم نہیں کرائیں گے۔ جس پر برطانوی حکومت نے یہ ذمہ داری ایک اور انگریز افسر کے سپرد کر دی۔ ایچ وی

ہڈسن کی کتاب THE GREAT DIVIDE سے ایک اقتباس کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

اس کہانی میں انجام اس طرح ہوا کہ سر اولف کیرو کی پوزیشن صاف ہوگئی کہ ان پر الزامات (یعنی خان برادرن کے اعتراضات) ان کے کردار یا پالیسی کی وجہ سے نہیں تھے بلکہ محض سیاست تھی۔ چنانچہ جب گرد بیٹھ گئی تو خان برادران کو انگریز گورنر کی غیر جانبدازی کا یقین آ گیا۔ 1956ء میں ڈاکٹر خان صاحب نے (جب وہ وزیرِاعلیٰ مغربی پاکستان تھے) صدر سکندر مرزا کی مدد سے سر اولف کیرو کو پاکستان بلایا۔ انہی کیرو صاحب نے صوبہ سرحد میں تین ماہ گزارے اور یہاں اپنی کتاب THE PATHANS لکھی۔ بعدازاں چند برس بعد عبدالغفار خان برطانیہ گئے اور سر اولف کے ساتھ ان کے گھر واقع سسکس میں ٹھہرے۔ خان کے بیٹے اور پوتے ولی خان ان کے بھائی اور بھتیجے بھی وہاں پہنچے۔

اور آگے چل کر THE GREAT DIVIDE کے مصنف مزید لکھتے ہیں:

''ستمبر 1964ء میں خان عبدالغفار خان کو بالآخر برطانیہ جانے اور علاج کرانے کی اجازت مل گئی۔ اپنے دو ماہ کے قیام کے دوران غفار خان کی آؤ بھگت سرحد کے سابق گورنر سر اولف کیرو نے کی۔ فرینڈز آف پیس سوسائٹی سے خطاب کرتے ہوئے خان صاحب نے کہا:

''یہ اچھا ہوا کہ میں آپ کے ملک میں آیا ہوں۔ ماضی میں آپ کے بارے میں میری رائے اچھی نہیں تھی۔ کیونکہ برطانیہ میں جو انگریز مجھے ملے وہ کچھ مختلف تھے۔ خدا کا شکر ہے کہ میں یہاں آ گیا اور آپ کے اور میرے درمیان غلط فہمیاں دور ہوگئی ہیں۔''

اور اب ولی خان جواب دیں

قارئین کرام! برطانوی حکومت کے خلاف خان عبدالغفار خان (یعنی جناب ولی خان کے والد محترم) کے بارے میں مختلف کتابوں میں یہ اقتباسات حسب ذیل حقیقتوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

1۔ ولی خان کے آباؤ اجداد کو برطانوی حکومت کی طرف سے جاگیریں ملیں اور انہیں ''خان صاحب'' بنایا گیا۔

2۔ غفار خان کے والد خاص طور پر انگریز حکومت کے بہت خیر خواہ رہے اور اس خاندان کے

اکثر لوگوں نے 1857ء کی جنگ آزادی میں انگریز کا ساتھ دیا۔

3۔ ولی خان کے تایا یعنی ڈاکٹر خان صاحب نے سرحد کی وزارت اعلیٰ سے بھی پہلے انگریزوں سے بہت راہ و رسم رکھی۔ ان کی بیگم انگریز خاتون تھی۔ انہوں نے اپنا اصل نام جبار خان ساری عمر استعمال نہیں کیا۔ بلکہ انگریز کے عطا کردہ خطاب خان صاحب ہی کو نام بنا لیا۔ یہ نام کا حصہ نہیں "سر" اور "خان بہادر" کی طرح خطاب کے الفاظ تھے۔

4۔ باوجود اس امر کے کہ ڈاکٹر خان صاحب صوبے کے وزیر اعلیٰ رہے اور ان کی حالت کسی بھی اعتبار سے مالی امداد کی مستحق نہیں ہو سکتی تھی۔ ان کی بیگم کو برطانوی حکومت خفیہ طور پر وظیفہ دیتی رہی۔ کیوں؟

5۔ تحریک پاکستان کے دوران جب مسلم لیگ کے مطالبے پر صوبہ سرحد میں پاکستان کیلئے ریفرنڈم کرایا گیا تو خان برادران نے انگریز گورنر سر اولف کیرو کی غیر جانبداری پر شبہ کیا۔ شاید انہیں نتائج کا اندازہ ہو گیا تھا۔ جو بعد ازاں یہ نکلے کہ پاکستان کے حق میں تقریباً 90 ہزار ووٹ پڑے جبکہ پاکستان کے خلاف تین ہزار ووٹ بھی نہ تھے۔

لہٰذا انہوں نے پیشگی یہ الزام لگا دیا کہ سر اولف کیرو کی غیر جانبداری مشکوک ہے، لیکن پاکستان بننے کے بعد 1956ء میں اسی اولف کیرو کو ولی خان کے تایا ڈاکٹر خان صاحب نے بطور وزیر اعلیٰ مغربی پاکستان بلایا اور تین ماہ سرحد میں مہمان رکھا۔ پھر اسی سابق گورنر اولف کیرو کے پاس 1964ء میں غفار خان (ولی خان کے والد) جا کر رہے اور انگلستان میں قیام کے دوران ہی گورنر کو اور انگریز قوم کو "کلین" ہونے کا سرٹیفکیٹ دے کر اعلان کیا کہ انگریزوں کے بارے میں مجھے جو غلط فہمیاں ہو گئی تھیں، وہ دور ہو گئی ہیں۔

قارئین محترم! حقائق، حقائق ہیں کے مصنف جناب ولی خان صاحب سے پوچھنا چاہیے کہ اگر ان کتابوں کے اقتباسات درست ہیں تو آپ ہی بتائیے کہ انگریز سے جاگیریں کس نے لیں؟ انگریز کے ساتھ مل کر 1857ء میں آزادی حاصل کرنے والوں کے خلاف جنگ کس نے کی؟ انگریز سے خفیہ وظیفے کس نے لئے؟ انگریز کو مسٹر کلین ہونے کا سرٹیفکیٹ کس نے دیا؟ اور سب سے بڑھ کر انگریز کو کس نے یقین دلانے کی کوشش کی کہ جناب والا ہم روسی انقلاب یا افغانستان کی انگریز دشمن حکومت کے حامی ہرگز نہیں ہیں۔

اور سب سے آخر میں پاکستان کے خالق قائداعظمؒ پر الزام لگانے والے جناب ولی خان بتائیں کہ انگریز کے لیے سازش کون کرسکتا تھا؟ کس نے کی؟ قائد نے یا آپ کے بڑوں نے؟ قائد اعظمؒ کی زندگی یا ان کے آباؤ اجداد کی سرگزشت میں آپ کو کہیں انگریز سے کچھ لینے کا سراغ ملا ہو تو ہمیں بھی مطلع کیجئے گا۔
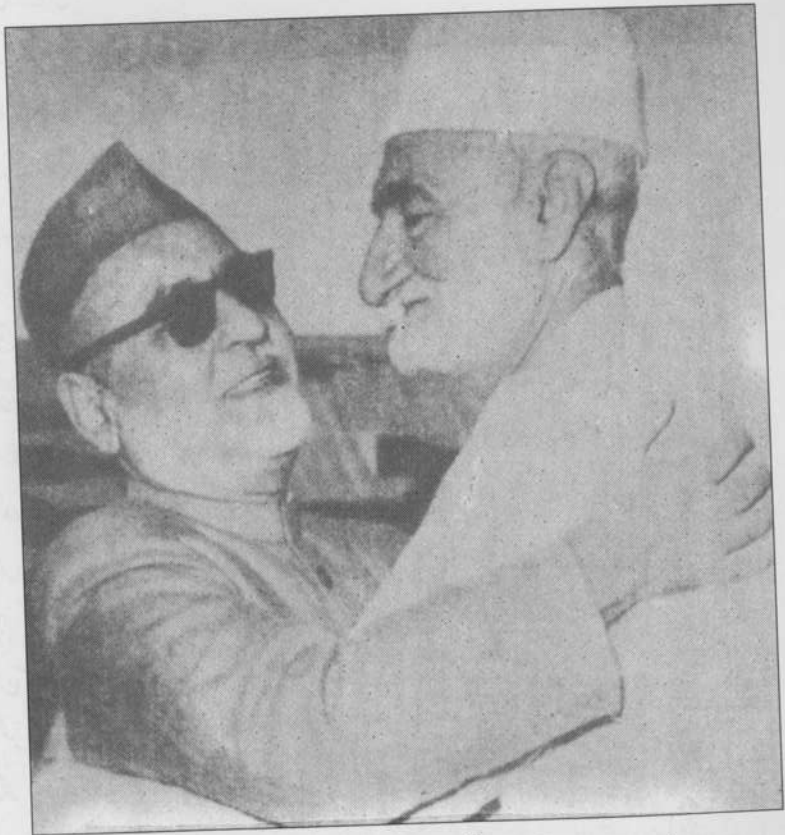
غفار خان سابق بھارتی صدر ڈاکٹر ذاکر حسین سے ملتے ہوئے

خان برادران کے مذہبی نظریات
چند خوفناک انکشافات

بعض دوستوں نے پوچھا کہ گزشتہ دنوں اے این پی نے صوبہ سرحد کا نام پختونخوار کھنے کے مطالبے کے ساتھ جو دوسری باتیں کی ہیں' ان کا تعلق ان کے والد یا تایا سے کس طرح بنتا ہے اور ہم پرانی باتیں کیوں کر رہے ہیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ جو کیا جارہا ہے اس لیے نیا نہیں کہ ایک پرانی فلم کاری میک ہے' جو دوبارہ دکھائی جارہی ہے۔ جیسا کہ آپ کو ہماری فراہم کردہ تفصیلات سے علم ہو جائے گا' کیونکہ تاریخ کے اوراق میں یہ سب کچھ محفوظ ہے۔ یہاں تک کہ پختونستان یا پختونخوا کا نام سب سے پہلے خان غفار خان سامنے لائے۔ اس کے بھی ثبوت پیش کیے جاسکتے ہیں۔ اس کے علاوہ ڈیورنڈ لائن کے نام سے پاکستان اور افغانستان کے مابین جو سرحد ہے' اس کے بارے میں چند روز پہلے ولی خان صاحب نے جو کہا ہے کہ ہم اسے نہیں مانتے' تو یہ جملہ بھی دراصل غفار خان صاحب کا ہے اور انہوں نے ہی اس کا اعلان کیا تھا۔ غرض ولی خان کے والد غفار خان اور ان کے تایا ڈاکٹر خان صاحب کے سیاسی اور مذہبی خیالات کو سمجھے بغیر آج کی اے این پی کے مطالبات کا تاریخی پس منظر سمجھنا ممکن نہیں ہے۔ خان برادران کے کانگریس اور ہندوؤں سے قریبی تعلقات کا جائزہ پیش خدمت ہے۔

بیٹی کی شادی سکھ اور بیٹے کی شادی پارسی سے

1942ء کا ذکر ہے کہ ولی خان کے تایا ڈاکٹر خان صاحب کی بیٹی مریم نے ایک سکھ سردار

جسونت سنگھ سے شادی کر لی۔ مفتی مدرار اللہ مدرار (جو جمعیت علمائے اسلام صوبہ سرحد کے سابق سیکرٹری تھے اور جنہوں نے بعد ازاں سرحد مسلم لیگ میں شرکت کر لی تھی) نے اپنی کتاب ''خان عبدالغفار خان' سیاست اور عقائد'' میں تفصیل سے خان عبدالغفار خان کے مذہبی افکار اور نظریات پر قلم اٹھایا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے:

''اخبار نویسوں نے ڈاکٹر خان صاحب کا ردعمل معلوم کرنا چاہا تو انہوں نے بڑی صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا: میری بیٹی نے اپنی پسند کی شادی کی ہے' مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں' میرا اشیرباد اس کے ساتھ ہے۔''

مفتی صاحب نے اس پر 16 مئی 1942ء کے روزنامہ زمیندار لاہور میں یہ بیان شائع کرایا کہ ڈاکٹر خان صاحب کی صاحبزادی کی شادی ایک غیر مسلم سے ٹھہرنے پر ہمیں از حد افسوس ہے اور ڈاکٹر صاحب کو چاہیے کہ اشیرباد دینے کے بجائے بیٹی سے قطع تعلق کا اعلان کریں۔ اس موقع پر 13 مئی 1942ء کو اخبار ''اصلاح سرحد'' میں ایک ادارتی شذرہ بھی شائع ہوا تھا۔ جس میں اس حرکت کو غیر اسلامی اور پٹھانوں کی روایات کے خلاف قرار دیا گیا تھا۔

ڈاکٹر خان صاحب کی بیٹی نے تو سکھ سے شادی کی' ان کے بیٹے نے ایک پارسی لڑکی صوفیہ کو اپنی بیوی بنایا۔ خان عبدالغفار خان خود اپنی کتاب ''زما ژوندا' جدوجہد'' میں لکھتے ہیں:

''صوفیہ سوم جی میری ملاقات کے لیے آتی تھیں۔ یہ اس وقت ہندوستان کی زنانہ رضا کاروں کی کمانڈر تھیں۔ پھر بعد میں اس کی شادی سعد اللہ خان (فرزند ڈاکٹر خان صاحب) سے ہوگئی۔''

خان عبدالغفار خان کے مذہبی نظریات

ہم اس سے پہلے بھی گاندھی کے سیکرٹری مہادیو ڈیسائی کی کتاب ''خدا کے دو خدمت گار'' کا ذکر کر چکے ہیں' جس کا دیباچہ خود گاندھی نے لکھا۔ اس کتاب کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

''اتفاق سے ایک مرتبہ گاندھی جی نے ڈاکٹر خان صاحب کی انگریز بیوی کے متعلق عبدالغفار خان سے دریافت کیا کہ آیا وہ مسلمان ہوگئی ہے یا نہیں۔ اس پر چھوٹے بھائی

(سرحدی گاندھی) نے کہا:

''آپ کو تعجب ہوگا کہ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ مسلمان ہیں یا عیسائی؟ اتنا مجھے معلوم ہے کہ انہیں کبھی باقاعدہ مسلمان نہیں کیا گیا۔ انہیں اس کی پوری آزادی حاصل ہے کہ ان کا جو عقیدہ ہو اس کی پیروی کریں۔ میں نے کبھی اس معاملہ میں ان سے بات چیت نہیں کی اور میں کرتا بھی کیوں؟ آخر خاوند اور بیوی اپنے اپنے مذہب کے کیوں نہ پابند رہیں اور شادی تبدیلی مذہب کا باعث کیوں ہو''

اس کتاب کا ایک اور اقتباس:

''غفار خان صاحب روز صبح آشرم میں آتے تھے اور گاندھی جی سے تلسی داس کی رامائن سنا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ وہ اکثر صبح وشام کی پرارتھنا میں بھی شریک ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ خان صاحب نے پیارے لال جی سے کہا ''اس بھجن کا نغمہ میری روح کو مسحور کر دیتا ہے۔ مہربانی فرما کر اسے اردو رسم الخط میں لکھ دیجئے اور اس کا اردو ترجمہ بھی کر دیجئے۔''

معلوم نہیں، لبرل سے لبرل مسلمان گاندھی کے ساتھ مل کر پرارتھنا کرنے کو کیا معنی دے گا؟ علمائے کرام کا مؤقف اگرچہ واضح ہے، تاہم ولی خان صاحب ہی اگر اس پر کچھ روشنی ڈالیں تو زیادہ مناسب ہوگا کہ ان کے والد محترم کس سوچ کے مسلمان تھے اور کیا غیر مسلم بالخصوص سکھ یا پارسی سے (بغیر اس کا مذہب تبدیل ہوئے) ایک مسلمان لڑکی یا لڑکا شادی کر سکتا ہے؟

مذہبی نظریات کا ایک اور نمونہ

اپنی آپ بیتی ''زما ژوندا و جدوجہد'' میں خان عبدالغفار خان لکھتے ہیں:

''ان (ہندو) آشرموں کی سادہ زندگی مجھے بہت پسند آئی۔ انہوں نے مجھ پر اتنا اثر کیا کہ میرے اندر یہ خیال پیدا ہوا کہ میں بھی خدائی خدمت گاروں کی تربیت کے لیے ایسے ہی آشرم بناؤں گا''

بعد ازاں خان صاحب نے چارسدہ کے قریب سردریاب کے کنارے اسی طرح کا ایک آشرم تعمیر بھی کرایا، جس میں ہندو مرد اور ہندو عورتیں آیا کرتی تھیں۔ یہ بات بھی ریکارڈ پر ہے

کہ کانگریس نے اس آشرم کی تعمیر کے لیے غفار خان صاحب کو پچیس ہزار کا چندہ بھی ارسال کیا تھا۔ خان صاحب کی ایک صاحبزادی یعنی جناب ولی خان کی محترمہ ہمشیرہ صاحبہ انگلستان میں زیر تعلیم تھیں۔ غفار خان صاحب نے بچی کو انگلستان سے واپس بلا کر واردھا کے کنیا آشرم میں داخل کرایا اور اس موقع پر ٹنڈولکر کی کتاب کا اقتباس دیکھیں۔ خان صاحب نے کہا:

''If a pathan girl could be sent out for education to England, why should she find any difficulty in making the Kanya Ashram her own,he thought.;

''یعنی اگر ایک پٹھان لڑکی انگلستان میں تعلیم پا سکتی ہے تو واردھا کے کنیا آشرم میں تعلیم حاصل کرنے میں اسے کیا دقت ہے؟''

ڈیسائی کی کتاب کے صفحہ 98 کے مطابق:

''خان صاحب نے اپنے بچوں کو نصیحت کی کہ بہادر بننا اور گاندھی اور جمنا لال جی کے سائے میں سادگی اور تہذیب نفس سیکھنا''

اس اقتباس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ ولی خان کے والد محترم اپنی اولاد کے لئے کسی قسم کے آئیڈیل پسند کرتے تھے اور انہیں کیا بنانا چاہتے تھے۔ شاید یہ انہی کی دعا اور نصیحت کا اثر ہو، جو آج دیکھنے میں آ رہا ہے۔

گاندھی یا خدانخواستہ پیغمبر؟

قارئین! پہلے ڈیسائی ہی کی کتاب سے خان عبدالغفار خان کی گفتگو پڑھ لیجئے:

''مہاتما جی کی زندگی میں جب کوئی پیچیدہ اور نازک موقع پیش آتا ہے اور وہ کوئی اہم فیصلہ کرتے ہیں تو میرا دل کہتا ہے کہ یہ اس شخص کا فیصلہ ہے جس نے اپنے آپ کو خدا کے سپرد کر دیا ہے اور خداوند تعالیٰ کبھی کسی کو غلط راستہ نہیں بتاتا۔ اس لئے میرا عقیدہ ہے کہ مہاتما جی نے سارے روزے بلاشک وشبہ خدا کے حکم سے رکھے'' جب سیاست سے مہاتما جی کی مجوزہ ریٹائرمنٹ کے بارے میں ان سے سوال کیا گیا تو غفار خان نے فرمایا:

''مہاتما جی کے اس فیصلے پر مجھے ذرا سا تعجب نہیں ہے۔ میں ان کے فیصلوں پر کیسے اعتراض کرسکتا ہوں، کیونکہ وہ اپنے معاملات میں اللہ تعالیٰ سے رجوع کرتے ہیں اور پھر اس کے

احکام کی تعمیل کرتے ہیں۔ ہر ''مصلح اعظم'' کی یہی کیفیت ہوتی ہے۔''

یہ ایک ایسا موضوع ہے کہ ختم نبوتؐ کے سکالرز اور علمائے کرام ہی اس پر ''ماہرانہ'' اظہار خیال کر سکتے ہیں۔ تاہم کسی غیر مسلم کے بارے میں یہ نظریہ رکھنا کہ اس کے ''برت'' مسلمانوں کے ''روزے'' ہیں' نیز اس کو خدا سے براہ راست اشارات ملتے ہیں' اور وہ اللہ سے رجوع کر کے براہ راست اس کے احکام کی تعمیل کرتا ہے۔ مثلاً سیاست چھوڑ دوں یا نہیں' یہ کس حد تک اسلامی فعل ہے اور اس عقیدے کا ماننے والا دائرہ اسلام میں رہ سکتا ہے یا نہیں' اس کا فیصلہ ہر مسلمان اپنے دل سے پوچھ کر کر سکتا ہے۔ گاندھی کو ''مصلح اعظم'' کہا جا سکتا ہے یا نہیں' اس کا البتہ ایک ہی جواب ہے کیونکہ مسلمانوں کے لئے مصلح اعظم صرف اور صرف رسول پاکؐ کی ذات ہو سکتی ہے۔

خان عبدالغفار خان کے دل میں ہندوؤں کی کتاب ''گیتا'' کے لئے کتنی عقیدت تھی' اس ضمن میں دو اقتباسات:

پہلا اقتباس مہادیو ڈیسائی کی کتاب ''خدا کے دو خدمت گار'' کے صفحہ 29 سے لیا گیا ہے۔ کہتے ہیں:

''گیتا میری سمجھ سے باہر تھی۔ میں نے اسے بار بار پڑھا۔ مجھے تو 1930ء میں انڈمان کے پنڈت جگت رام نے باقاعدہ گیتا پڑھائی۔ انہوں نے مجھے اس کا صحیح مفہوم سمجھا دیا۔''

اب اس گیتا کا مقام ان کے نزدیک کیا ہے' اس کے لئے کتاب کا صفحہ 35 دیکھیں:

''میں نے گیتا پڑھنا ترک نہیں کیا۔ اب تک میں نے تین بار گیتا پڑھی ہے۔ میرے نزدیک ہمارے جھگڑوں کی خاص وجہ یہ ہے کہ ہم تسلیم کرنے کو تیار نہیں کہ ہر مذہب اپنے پیروکاروں کے لئے کوئی پیغام لایا ہے۔ لیکن قرآن شریف میں صاف صاف لکھا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے ہر قوم میں ہادی بھیجے ہیں اور وہ سب اہل کتاب ہیں''

اس مسئلے پر ٹنڈولکر کی کتاب عبدالغفار خان کے صفحہ 173 پر بھی ذکر آتا ہے' جو زیادہ تفصیلی ہے۔ اسے بھی دیکھ لیں:

The Holy Quran says that god sends messengers and warners for all nations and all people, and they are

their respective prophets. All of them are Ahle Kitab men of the book and the hindus are no less Ahle Kitab tha jews add christians;

But that is not the orthodox Musalman opinion.

I know but they fail to see that the hindus and their books are not mentioned in the holy quran because the list there is not exhaustive but merely illustrative. The holy quran simply lays down the principles namely that those who have had inspired books, come within the category of Ahle kitab, and i am absolutely certain that the meaning of the text includes all people who have inspired books to govern their faith and condust. And i would to even further and would say that the fundamental principles of all religions are the same though details differ, because each faith takes the colour and flavour of the soil from which it springs;

اس کا اردو ترجمہ کچھ یوں ہے کہ:

''مقدس کتاب (قرآن پاک) کہتی ہے کہ اللہ نے تمام قوموں اور تمام لوگوں کے لئے پیغمبر اور ہدایات دینے والے بھیجے اور وہ سب پیغمبر' نبی ہیں۔ یہ سارے ''اہل کتاب'' ہیں اور ہندو کسی بھی طرح یہودیوں اور عیسائیوں سے کم ''اہل کتاب'' نہیں ہیں۔''

ان سے سوال کیا گیا:

''لیکن قدامت پسند مسلمان تو ایسا نہیں سمجھتے؟''

انہوں نے جواب دیا:

''میں جانتا ہوں' لیکن وہ یہ نہیں سمجھتے کہ ہندو اوران کی کتاب قرآن مقدس میں اس لئے نہیں ہیں کہ قرآن مقدس میں فہرست مکمل نہیں ہے بلکہ اس کی حیثیت محض مثال کے لئے ہے۔ مقدس قرآن میں صرف اصولوں کی صراحت کی گئی ہے' یہی کہ وہ سب لوگ جو مقدس کتابوں سے انسپائر ہوئے وہ ''اہل کتاب'' ہیں اور مجھے یقین ہے کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ تمام لوگ جو کسی بھی مقدس کتاب سے متاثر ہوئے اور ان کا یقین اور طرز زندگی تبدیل ہوا۔ میں اس سے

بھی آگے جا کر یہ کہوں گا کہ تمام مذاہب کے بنیادی نظریات ایک سے ہیں' البتہ ان کی تفصیلات مختلف ہیں کیونکہ ہر مذہب پر اس سرزمین کے رنگ اور خوشبو کا اثر ہوتا ہے' جس میں وہ پھیلا ہوا ہے۔''

قارئین کرام! آپ نے جناب عبدالغفار خان کے قرآن پاک کے بعد گیتا کے بارے میں خیالات پڑھے۔ آپ دیکھ سکتے ہیں کہ ان کے نزدیک ہندو اہل کتاب ہیں اور گیتا ایک الہامی کتاب۔ ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے اب تک جو نظریات چلے آ رہے ہیں اور ایمان کی جو شکل ہم نے باوجود معمولی اختلاف کے دیکھی ہے' اس میں کسی طور بھی گیتا کو الہامی کتاب اور ہندو کو اہل کتاب ماننے والے کو شاید مسلمان سمجھنا بھی انسان کو کفر کے نزدیک لے جائے' کیونکہ اسلام یا دوسرے الہامی مذاہب تو توحید کے نکتے پر قائم تھے جبکہ ہندومت بنیادی طور پر توحید کے خلاف نظریہ ہے' جسے کوئی مسلمان کسی طور پر تسلیم نہیں کر سکتا اور تسلیم کرے تو مسلمان نہیں رہ سکتا۔

گوشت چھوڑنے اور گائے کی قربانی نہ دینے کی باتیں

مہادیو ڈیسائی اور ٹنڈولکر دونوں نے اپنی اپنی کتابوں میں بعینہ ایک ہی واقعہ نقل کیا ہے اور یہ الفاظ ملاحظہ ہوں:

''غفار خان نے جیل میں گوشت چھوڑنے کا فیصلہ کیا اور جب تک جیل میں رہے' کبھی گوشت کو ہاتھ نہیں لگایا۔ جیل سے باہر نکلنے پر بھی انہوں نے یہ طریقہ جاری رکھا اور اب اپنی آپ بیتی سے خان عبدالغفار خان کا ایک بیان: حوالہ ہے ''زما ژوند او جدوجہد'' صفحہ 634:

''ایک جلسے میں کسی کی شرارت پر بعض لوگوں نے شور مچا دیا اور میری تقریر کے دوران سوال کیا کہ گائے کو ذبح کرتے ہو؟ میں نے اس کو جواب دیا کہ میں تو قصائی نہیں ہوں اور مسلمانی تو گائے کو ذبح کرنے پر موقوف نہیں۔''

خدا کی شان میں ایک گستاخی

خان عبدالغفار خان نے پشتو زبان میں ایک رسالہ بھی چھاپا تھا۔ جس کا نام ''پشتون'' تھا۔ 22 اگست 1945ء کے شمارے میں رسالہ ''پشتون'' نے ایک فرضی ڈرامہ شائع کیا۔ جس میں ایک حکیم اور دانش مند کے مابین مکالمہ درج ہے:

''دانش مند: نہ کوئی نیکی نہ برائی، کم عقل لوگوں نے بعض چیزیں اچھی قرار دی ہیں۔ دوزخ و جنت، خیر و شر، جزا اور سزا، انصاف اور ظلم تمہارے اندر ہے تو اپنے آپ کو پہچان، کیونکہ جو اپنے آپ کو نہیں پہچان سکتے، ان بے وقوفوں نے اپنے لئے خدا بنا رکھا ہے''

''حکیم: توبہ کرو اور استغفار پڑھو۔ ہوسکتا ہے کہ خدا تجھ پر رحم کر دے اور تجھے ایمان نصیب ہو جائے۔

دانش مند: کس سے رجوع کروں اور کس سے توبہ کروں۔ کون رحم کرے گا۔ تم عقل کے ہوتے ہوئے بھی بے وقوف ہو جو ایسی باتیں کرتے ہو۔''

اگر چہ یہ خان عبدالغفار خان کے الفاظ نہیں، مگر ان مکالمات سے جو ان کے رسالے ''پشتون'' میں چھپے (اور ظاہر ہے کہ ان کی اجازت کے بغیر کیسے چھپ سکتے تھے۔) خان صاحب کے خیالات کا علم ہوسکتا ہے۔

خان صاحب کا قشقہ یعنی تلک لگانا

مفتی مدرار اللہ مدرار اپنی کتاب ''خان عبدالغفار خان، سیاست و عقائد'' میں لکھتے ہیں:

''1969ء میں عبدالغفار خان کانگریس سے ایوارڈ وصول کرنے بھارت گئے تو ان کی تصویریں اخبارات میں چھپی تھیں۔ ان تصاویر میں خان صاحب کے ماتھے پر مسز اندرا گاندھی نے قشقہ یعنی تلک لگایا جبکہ عبدالغفار خان نے ہاتھ جوڑ کر انہیں پرنام کیا۔''

آگے چل کر مفتی صاحب نے لکھا ہے کہ:

''خان عبدالغفار خان کی وفات حسرت آیات کے موقع پر راجیو گاندھی سابق وزیر اعظم بھارت، تعزیت کے لئے خود پشاور آئے تو انہوں نے جناب ولی خان اور دوسرے لیڈروں سے ہاتھ نہیں ملایا اور صرف ''نمسکار'' کیا۔''

سرحدی گاندھی کا نام اور روزے کی نئی تعریف

کتاب ''دوخدائی خدمت گار'' میں ڈیسائی نے صفحہ 29 پر لکھا ہے:

''غفار خان کے قدر دان محبت اور مخالف طنز سے انہیں سرحدی گاندھی کہتے ہیں۔ یہ خطاب دراصل اسی زمانے سے شروع ہوا۔ انہوں نے مہاتما جی کی سوانح حیات کا بڑے غور سے مطالعہ کیا تھا اور ہمیشہ ان کی پیروی کیا کرتے تھے۔ جیل خانہ میں وہ نہ صرف ہفتہ میں ایک دن روزہ رکھا کرتے تھے بلکہ ایک دن ''مرن برت'' بھی رکھتے تھے۔ اس وجہ سے ان کا یہ خطاب پڑ گیا۔''

اس ضمن میں غفار خان صاحب کا ایک اور بیان دیکھیں۔ اسی کتاب سے اقتباس ہے:

''جب پچھلے اگست میں مہاتما جی نے سات دن کا برت رکھا تو میں نے بھی سات دن روزہ رکھا اور شام کو صرف نمک ملا ہوا پانی پیتا تھا۔ یہ کہنا تنگ نظری ہے کہ عام طور پر جس طرح مسلمان روزہ رکھتے ہیں وہی صحیح روزہ ہے۔

ہمارے رسول اکرمؐ نے اکثر دن رات متواتر روزے رکھے تھے۔ میرا خیال تو یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے محض انسانی کمزرویوں کا لحاظ کر کے غروب آفتاب کے بعد کھانے پینے کی اجازت دی تھی۔ آنحضرتؐ کو کسی غذا کی ضرورت نہ تھی کیونکہ ان کا قول تھا کہ اللہ تعالیٰ انہیں روحانی غذا بھیجتا ہے۔ عام انسانوں کو یہ غذا نہیں مل سکتی۔''

کیا فرماتے ہیں علمائے دین بیچ اس مسئلے کے؟ کیا واقعی یہ کہنا تنگ نظری ہے کہ عام طور پر مسلمان جس طرح روزہ رکھتے ہیں، وہی صحیح روزہ ہے؟ اور یہ بھی کہ کیا واقعی رسول پاکؐ اس لئے روزہ رکھ سکتے تھے کہ انہیں روحانی غذا خدا کی طرف سے ملتی تھی، جو عام انسانوں کو نہیں مل سکتی۔

''زماژوند اد جدوجہد'' غفار خان کی آپ بیتی ہے۔ اس میں خان صاحب کے بدھ مت اور زرتشت (آگ کو پوجنے والے) کے بارے میں نظریات دیکھیں:

''بدھ مذہب کے مطالعہ کے ساتھ میرا بہت شوق تھا کیونکہ ہم پختون لوگ اسلام سے پہلے بدھ مذہب کے پیروکار تھے۔ زرتشت کے پارسیوں کے مذہب کی کتابوں کا بھی مجھے شوق تھا کیونکہ اس۔ (زرتشت) کو خدا نے ہم پختونوں کے لئے بھیجا تھا اور وہ بلخ میں پیدا ہوئے تھے۔''

رساله
پښتون
پښاور
عبدالغفار خان

پښتون

غفار خان کے رسالے ''پشتون'' کا عکس

''اس کے ساتھ ساتھ میری یہ خواہش ہوا کرتی تھی کہ مسلمان گیتا سے آگاہ ہو جائیں چونکہ پختون ہندو تھے بدھ مذہب نے ہمارے ملک میں بہت ترقی کی' صوبہ سرحد وہ زمین ہے کہ جہاں ''مقدس وید'' نازل ہوا۔''

اور اب آخر میں قادیانیوں کے حوالے سے بھی ایک اقتباس:

''خدام الدین'' حضرت لاہوری نمبر 1975ء میں شائع ہوا۔ اس کے صفحہ نمبر 295 پر ''آپ بیتی' جگ بیتی'' کے نام سے ایک مضمون کی چند سطریں ملاحظہ ہوں۔

''اس زمانے میں قادیانیت کا اثر یہاں تک بڑھ گیا تھا کہ سوات میں ستھانہ کے سید عبدالجبار شاہ قادیانی ہو گئے تھے اور فخر افغان عبدالغفار خان جیسے مجاہد شخص بھی قادیان تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے گئے تھے۔''

خان عبدالغفار خان نے قادیان سے کیا تعلیم حاصل کی' اس کی تفصیل نہیں معلوم' لیکن ایک بات واضح ہے کہ دین اسلام سے ہٹ کر انہیں سبھی کچھ پسند تھا۔ عیسائیت' ہندومت' بدھ مت' زرتشت۔

جناب ولی خان! سوال یہ ہے کہ

اور اب اے این پی کے ''مرشد اعلیٰ'' جناب ولی خان سے پوچھنے کو جی چاہتا ہے کہ:

کیا یہ درست نہیں کہ آپکے تایا ڈاکٹر خان کی بیٹی مریم (یعنی آپ کی تایازاد بہن) نے ایک سکھ سردار جسونت سنگھ سے شادی کی تھی؟ اور آپ کے تایا ڈاکٹر خان صاحب نے کہا تھا' مجھے کوئی اعتراض نہیں۔

کیا یہ درست نہیں کہ آپ کے تایا ڈاکٹر خان صاحب کے بیٹے سعداللہ خان نے ایک پارسی لڑکی صوفیہ سوم جی سے شادی کی تھی؟

کیا آپ کے تایا خان صاحب نے یہ نہیں کہا تھا کہ آخر خاوند اور بیوی اپنے اپنے مذہب کے پابند کیوں نہ رہیں؟ اور شادی تبدیلی مذہب کا باعث کیوں ہو۔

کیا یہ درست نہیں کہ آپ کے والد غفار خان گاندھی کے ساتھ پرارتھنا کرتے تھے اور انہوں نے ہندوؤں کے آشرم سے متاثر ہو کر خود بھی چارسدہ کے پاس ایک آشرم بنایا جس میں

اپنی بچی کو (جو انگلستان میں تعلیم حاصل کر رہی تھی) بلا کر داخل کرایا۔

کیا یہ درست نہیں کہ انہوں نے آپ کو (اپنے بچوں کو) نصیحت کی تھی کہ بہادر بننا اور گاندھی سے سادگی اور تہذیب نفس سیکھنا۔

کیا آپ کے والد گاندھی کو "مصلح اعظم" نہیں کہتے تھے' اور کیا ان کا گاندھی کے متعلق یہ خیال نہیں تھا کہ وہ اپنے معاملات میں خدا سے رجوع کرتے تھے اور پھر اس کے احکام کی تعمیل کرتے تھے۔ کیا پیغمبروں کے سوا اور کوئی خدا سے براہ راست احکام لے سکتا ہے۔

کیا باچا خان نے گیتا کو الہامی کتاب اور ہندوؤں کو اہل کتاب قرار نہیں دیا تھا؟

کیا انہوں نے گائے ذبح کرنے کے سوال پر یہ نہیں کہا تھا کہ میں قصائی نہیں ہوں اور مسلمانی گائے ذبح کرنے کا نام نہیں؟

کیا انہوں نے اپنے رسالے "پشتون" میں یہ نہیں چھاپا تھا کہ "جو لوگ اپنے آپ کو نہیں پہچان سکتے ان بے وقوفوں نے اپنے لئے خدا بنا رکھا ہے۔"

کیا وہ ماتھے پر اندرا گاندھی سے قشقہ (تلک) نہیں لگواتے تھے جس کی تصاویر موجود ہیں اور کیا وہ سلام کہنے کے بجائے ہاتھ جوڑ کر نمسکار نہیں کرتے تھے؟

قادیان سے آپ کے والد کون سی تعلیم حاصل کر کے آئے تھے؟

جناب ولی خان صاحب! قائداعظمؒ کو تو آپ نے بڑی بے دردی سے انگریز کا ایجنٹ کہہ دیا جس کا جواب ہم پر قرض ہے۔ لیکن یہ جناب غفار خان کون تھے اور انہیں ہندو کا ایجنٹ کیا کہیں' کہ خود ان کا پسندیدہ خطاب سرحدی گاندھی تھا۔ کیا مندرجہ بالا عقائد کی بنیاد پر وہ مسلمان بھی رہ گئے تھے؟

ہمیں آپ کے جواب کا انتظار رہے گا۔

خان صاحب! یہ بھی حقائق ہیں

قارئین کرام! پختونخوا کے مطالبے کے پیچھے حقیقی محرکات کون سے ہیں' اس ضمن میں خواہش تھی کہ صوبہ سرحد میں قیام پاکستان سے پہلے کی سیاست' قائداعظمؒ اور مسلم لیگ کے کردار' جناب ولی خان کے تایا ڈاکٹر خان صاحب اور ان کے والد اور سرحدی گاندھی خان عبدالغفار خان کی سیاست پر مستند حوالوں سے بات کی جائے' تاہم خان برادران کے متعلق مزید کچھ حقائق ایسے ہیں جنہیں قارئین کے سامنے لانا ضروری ہے' کیونکہ خود جناب ولی خان کے بقول حقائق' حقائق ہوتے ہیں۔ لہٰذا کیوں نہ ریسرچ کر کے' چھان پھٹک کر کے ان کو لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے۔ امید ہے' خان محترم ہماری کاوش کو بھی تحقیق سمجھ کر پسند فرمائیں گے۔

اس کی ایک اور وجہ یہ ہے کہ زندگی میں ہمیشہ سے میرا مشاہدہ یہ رہا ہے کہ سیاسی جماعتوں کے منشور اور پروگرام ہوں یا حکومتوں کے بتائے ہوئے آئین اور قانون' الفاظ کی حد تک سبھی اچھے ہوتے ہیں۔ اصل مسئلہ یہ بنتا ہے کہ بندوق تو اچھی ہے مگر اس کی لبلبی پر ہاتھ کس کا ہے؟ حکومت کے اعلانات تو اچھے ہیں مگر ان پر عملدرآمد کرنے والوں کی نیت کیا ہے؟ مقرر کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ تو بہت خوب ہیں مگر کیا وہ خود بھی ان پر یقین رکھتا ہے؟ جس نظام کی بات ہو رہی ہے' اس کے خدوخال تو بہت اچھے ہیں' لیکن ان کو چلانے والے کیا واقعی مخلص ہیں؟ اور ان کے اپنے کردار اس نظام کو چلانے کے لیے موزوں ہیں یا نہیں؟

جناب ولی خان کا خان غفار خان سے سیاسی رشتہ

کچھ دوستوں کا خیال ہے کہ خان عبدالغفار خان کے سیاسی یا مذہبی نظریات کا ان کے بیٹے

ولی خان سے کیا تعلق ہوسکتا ہے۔ جناب ولی خان اپنے والد کا احترام کرتے ہوں اور ان کی سیاست یا ان کے نظریات سے متفق نہ ہوں، عدالت میں بحث کے لیے یہ ایک اچھا نکتہ ہے، لیکن سیاسی، مذہبی اور معاشی نظریاتی کو پرکھنے کے لیے، اس دلیل میں کوئی زیادہ وزن نہیں کہ بیٹے کا باپ سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ خاص طور پر جب بیٹا باپ کے نظریات کو DISOWN نہ کر رہا ہو، بلکہ یہ نظر آتا ہو کہ وہ والد ہی کے نظریات کو آگے بڑھا رہا ہے۔

میں صرف ایک چھوٹی سی مثال دوں گا۔

چند روز پہلے جناب ولی خان نے باچا خان کی برسی پر پشاور کے جلسہ عام میں تقریر کرتے ہوئے جو کچھ فرمایا، اس میں انہوں نے الزام لگایا کہ پنجاب کے اردو اخبارات اور پنجاب کا پریس ان کے خلاف مسلسل زہر پھیلاتا ہے۔

گاندھی پیس فاؤنڈیشن بمبئی نے 1967ء میں ڈی جی ٹنڈولکر کی انگریزی کتاب ''عبدالغفار خان''، چھاپی، اس کے صفحہ نمبر 175 کا ایک اقتباس دیکھیں، جو انگریزی زبان میں ہے۔ اردو ترجمہ یہ ہے:

''پنجاب کے اردو اخبارات میرے خلاف جھوٹی افواہیں پھیلاتے ہیں، وہاں کا ایک اخبار ہے، جس نے مجھے اسلام دشمن قرار دینے کا کوئی موقع نہیں چھوڑا۔''

یہ اخبار یقیناً ''نوائے وقت'' ہے۔ تاہم غور فرمائیں کہ آج 31 سال بعد جناب ولی خان صاحب بھی وہی زبان بول رہے ہیں، اسی طرح پنجاب کی مخالفت، ویسے ہی پنجابی اخبارات پر حملہ۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ خان برادران کے مذہبی اور سیاسی نظریات کے بارے میں کچھ اور گفتگو ہو جائے، کیونکہ جناب ولی خان کی ساری سیاسی بنیاد اپنے والد صاحب کی سیاسی اور معاشرتی بنیاد پر قائم ہے اور نیپ ہو یا اے این پی، اگر اس کے پیروں تلے سے ''خدائی خدمت گار'' تحریک نکال دی جائے تو باقی کچھ نہیں بچتا۔

سارے مذاہب کے ملغوبے کا فلسفہ

''ہندوستان ٹائمز'' دہلی کا ایک اخبار ہے، جس نے اپنی 17 جولائی 1938ء کی اشاعت میں گاندھی کا یہ بیان شائع کیا:

''مختلف طبقات و مذاہب کے بچوں میں رواداری اور دوستی کی جو روح پیدا ہو رہی ہے' اس کے پیش نظر میں اس بات کو سخت مہلک سمجھتا ہوں کہ ان کو یہ سکھایا جائے کہ ان کا مذہب دیگر مذاہب پر برتری رکھتا ہے' یا جس مذہب کے وہ قائل ہیں ان کے نزدیک بس وہی سچا مذہب ہے۔''

آپ کہہ سکتے ہیں کہ اس فلسفے کا خان عبدالغفار خان سے کیا تعلق؟ آیئے تلاش کرتے ہیں:

اسی سال گرمیوں میں گاندھی صوبہ سرحد آتے ہیں اور حویلیاں کانگریس کے صدر کرتار چند مفتون کے استقبالیے میں شریک ہوتے ہیں۔ خان عبدالغفار خان نے استقبالیے میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ''مہاتما جی ہمارے روحانی پیشوا ہیں' ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنا چاہئے' کیونکہ ان کی تعلیمات ہی ہماری آخری منزل ہے۔''

اب تعلق سمجھ میں آ جائے گا...... تاریخیں اور مہینہ ملاحظہ کر لیں اور پہلے بیان اور دوسرے بیان میں زیادہ فرق نہیں۔ مزید ثبوت ملاحظہ ہو:

روزنامہ ہریجن شمارہ 15 فروری 1942ء میں گاندھی کا ایک بیان چھپا ہے' جس میں انہوں نے عبدالغفار خان کے بارے میں کہا:

''ہمارے اندر تمام مذاہب کا یکساں احترام ہونا چاہئے۔ بادشاہ خان (غفار خان) جب کبھی یہاں آتے ہیں تو ہماری پوجا میں بہت خوشی سے شریک ہوتے ہیں۔ وہ اس لے کو پسند کرتے ہیں جس میں رامائن گائی جاتی ہے اور بہت غور سے گیتا کو سنتے ہیں' مگر ایسا کرنے سے ان کا اسلامی عقیدہ تو کم نہیں ہو گیا؟''

وہی مذاہب کے ملغوبے والی بات ہے۔

قارئین کرام! آپ خود فیصلہ کر سکتے ہیں تو کر لیں' کسی عالم دین سے پوچھنا ہے تو پوچھ لیں کہ کیا ہندوؤں کی پرارتھنا میں شریک ہونا ایک مسلمان کے لیے جائز ہے۔ سیاسی طور پر کانگریس میں شامل ہونا اور بات ہے' جیسے مولانا ابوالکلام آزاد کانگریس میں تھے' لیکن انہوں نے کبھی گاندھی یا
نہرو کے ساتھ عبادات میں شرکت نہیں کی۔ یہ ''اعزاز'' صرف خان عبدالغفار خان کو حاصل ہوا۔ ہفت روزہ ''الجماعتہ'' دہلی کا 24 اپریل 1947ء کا ایک تراشہ ملاحظہ کیجئے۔ عنوان

ہے: ''صوبہ سرحد واردھا کی آغوش میں''

''لاہور کے ہندو اخبارات انہی دنوں میں پورے صفحے کی ایک دستی تصویر شائع کر رہے ہیں' جس میں عبدالغفار خان کے دل کی جگہ پر گاندھی کی چھوٹی سی تصویر دکھائی گئی ہے۔ مطلب یہ کہ عبدالغفار خان کے دل سے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نکل چکا ہے اور اس کی جگہ اتمان زئی کے پٹھان کے دل میں مشرکوں کے لیڈر گاندھی کی محبت پیدا ہو گئی ہے۔ صوبہ سرحد کے طول و عرض میں کانگرسیت اور ہندو مت کا پراپیگنڈا شروع ہو جاتا ہے۔ صوبہ سرحد کا عبدالغفار خان اپنے لباس' شکل وصورت' خیالات وتصورات اور فکر کے اعتبار سے گاندھی کا روپ ہے۔ ''السلام علیکم'' کے بجائے اتمان زئی کا یہ پٹھان ہندوؤں کی طرح ہاتھ جوڑ کر ''پرنام'' کرتا ہے۔ دیکھ لیا آپ نے کہ دس پندرہ سال کے عرصہ میں گاندھی نے لالہ ہردیال ایم اے کے خواب اور سیاسی وصیت نامے (شدھی' یعنی مسلمانوں کو ہندو بنانے کی تحریک) کا ایک حصہ کس طرح پورا کر دیا۔''

نعوذ باللہ من ذالک

ایک اور حوالہ روزنامہ ''احسان'' لاہور سے ہے' جس میں اخبار نے حضرت عبداللطیف پیر صاحب زکوڑی شریف کی تقریر کا ایک حصہ شائع کیا ہے' جو درج ذیل ہے:

''جولائی کو پیر صاحب زکوڑی شریف موضع پپائی ضلع بنوں تشریف لائے۔ ہزاروں مسلمان آپ کے استقبال کے لیے موجود تھے۔ انہوں نے بندوقوں کی گولیاں چلا کر پیر صاحب کا استقبال کیا۔ اس موقع پر ایک عظیم الشان اجلاس منعقد کیا گیا' جس میں خان شیر علی خان نے صدارت کے فرائض انجام دیے۔ پیر صاحب نے تقریر کے دوران انکشاف کیا کہ ایک پنجابی عورت قرآن حکیم لے کر ڈاکٹر صاحب کے پاس گئی اور کہنے لگی کہ اس کتاب پر میرا اور آپ کا ایمان ہے۔ مجھے کتاب اللہ کی کوئی ایسی آیت سنا سکتے ہیں' جس کا مفہوم یہ ہو کہ مسلمانوں کی حفاظت کے لیے ہندوؤں اور انگریزوں کی امداد لی جا سکتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے کورا جواب دیتے ہوئے کہا کہ مجھے اس تیرہ سو سالہ پرانی کتاب پر کوئی اعتقاد نہیں۔ (نعوذ باللہ من ذالک)

بھارتی گاندھی، سرحدی گاندھی اورڈاکٹر خان

خان برادران واردھا تحریک اور آشرم

قارئین کرام! یہ بتانا ضروری ہے کہ واردھا تحریک یا واردھا آشرم کیا ہے۔ گاندھی کے منصوبے واردھا سکیم کا مقصد یہ تھا کہ مختلف مذاہب کو جمع کر کے ان کے لیے ایک ہی طرح کے نصاب مرتب کیے جائیں۔ اس ظلم عظیم کے خلاف بابائے اردو مولانا عبدالحق مرحوم نے گاندھی کے نام ایک خط لکھا تھا، حالانکہ وہ ایک غیر سیاسی آدمی تھے، مگر خط میں جو ماہنامہ ''ہمایوں'' کے اکتوبر 1938ء کے شمارے میں شائع ہوا، وہ گاندھی کے نام لکھتے ہیں:

''انڈین نیشنل کانگریس کا دعویٰ ہے کہ وہ اقلیتوں کی زبان وتہذیب کی محافظ ہے، لیکن میری انجمن کا نمائندہ ضلع ''چھنڈواڑہ'' کے ایک قصبے کے سکول میں پہنچا تو اس نے دیکھا کہ پڑھائی شروع ہونے سے پہلے ہندو اور مسلمان لڑکے ''سرسوتی'' کی مورت کے سامنے ہاتھ جوڑ کر پرارتھنا کر رہے ہیں۔ مسلمان لڑکے ان سکولوں میں بیٹھ کر سلام تک بھول گئے ہیں اور نمسکار کہتے ہیں۔ کیا زبان اور مذہب کی حفاظت کے یہی معنی ہیں۔''

قارئین کرام! اسی ''واردھا آشرم'' میں جو واردھا تحریک کا ہیڈ آفس تھا' باچا خان اور ڈاکٹر خان کی مجالس کس قسم کی تھیں' ٹنڈولکر کی کتاب ''غفار خان'' سے ایک اقتباس ملاحظہ کریں:

''واردھا میں اس چند روزہ قیام سے ان دونوں بھائیوں (عبدالغفار خان اور ڈاکٹر خان صاحب) گاندھی جی اور جمنالال بجاج میں ایک خاص اخوت اور روحانی تعلق پیدا ہو گیا۔ ان میں کوئی سیاسی گفتگو نہ ہوتی تھی۔ البتہ روحانی صحبتیں اکثر رہا کرتی تھیں' جن میں خاموشی سے بیٹھ کر عبادت کیا کرتے تھے۔ یہاں کے سب رہنے والے اس سے بہت متاثر ہوئے۔ خان عبدالغفار خان روز صبح آشرم میں جاتے اور گاندھی جی سے تلسی داس کی رامائن سنا کرتے تھے۔''

''واردھا آشرم میں خان برادران اپنے آپ کو اپنے گھر جیسے ماحول میں محسوس کرتے تھے اور آشرم کی سرگرمیوں میں شریک ہوتے تھے۔''

قارئین کرام! واردھا آشرم میں خان فیملی کے قیام کے بارے میں ٹنڈولکر نے یہ بھی لکھا ہے کہ عبدالغفار خان کے بیٹے غنی خان' ولی خان' علی خان اور ان کی صاحبزادی بھی اس آشرم میں گئے اور کچھ عرصہ رہے۔ یہ ان کی کتاب کے صفحہ 195 پر درج ہے:

''4 دسمبر 1933ء کو عبدالغفار خان اپنے بارہ سالہ بیٹے عبدالعلی کے ہمراہ واردھا کو واپس روانہ ہوئے ان کی چودہ سالہ بیٹی حال ہی میں انگلینڈ سے واپس آئی تھی تاکہ واردھا میں کنیا آشرم کے زنانہ ادارہ میں داخلہ لے۔ عبدالغفار خان کہا کرتے تھے کہ اگر ایک پٹھان لڑکی تعلیم حاصل کرنے کے لئے انگلینڈ بھیجی جا سکتی ہے تو وہ پھر کنیا آشرم کو اپنا سمجھنے میں کیا دقت محسوس کرے گی۔ سادہ زندگی' امن' پاکیزگی' آزادی کی فضا اور خود اپنے ہاتھوں سے محنت کرنے کی تلقین و اصرار نے مجھے ترغیب دی ہے اور ان کی دلی خواہش ہے کہ اس کی بیٹی یہاں تربیت حاصل کرے۔ اس نے اپنی بیٹی کو میری بہن کی تحویل میں دے دیا۔

واردھا اب ان کا اپنا دوسرا گھر جیسا تھا۔ ان کی بیٹی اور ان کے بیٹے غنی خان' ولی خان اور علی خان سب تین سال کے طویل عرصہ کے بعد اپنے محبوب باپ کے ساتھ اکٹھے تھے۔''

خان غفار خان کی ہندومت سے محبت

اسی کتاب کے صفحہ 193 پر غفار خان کی یہ وصیت ملاحظہ کریں، جس کے مطابق وہ یہ چاہتے ہیں کہ صوبہ سرحد کے بجائے کسی ہندو گاؤں میں دفن ہوں۔

اس اندراج میں عبدالغفار خان نے اپنی تدفین کے بارے میں مزید وضاحت کردی۔ انہوں نے صاف کہا کہ میں صوبہ سرحد کے کسی گاؤں میں دفن ہونے کے بجائے اس بات کو ترجیح دیتا ہوں کہ کسی ہندو گاؤں میں دفن کردیا جاؤں۔"

مسجد کے بارے میں خان عبدالغفار خان کا نقطہ نظر اس اقتباس سے واضح ہے۔ یہ ٹنڈولکر کی کتاب کے صفحہ 211 پر ہے۔

Abdul ghaffar express delight at being present at the function. He said that in old days, Mosques were built where people of all religions could go and say their prayers. He observed that the temple which the mahatma had just opened, would fulfil the supreme purpose of a common place of worship and prayer.

"عبدالغفار خاں نے مندر کے افتتاح کی تقریب کے موقع پر موجود ہونے کے بارے میں خوشی کا اظہار کیا۔ انہوں نے کہا کہ پرانے زمانے میں مساجد اس مقصد کے لئے تعمیر کی جاتی تھیں کہ سارے مذاہب کے لوگ ان میں جائیں، اور اپنی اپنی عبادت کریں۔ غفار خاں نے یہ امید بھی ظاہر کی کہ مندر جس کا ابھی مہاتما گاندھی نے افتتاح کیا ہے، وہ پوجا پاٹ اور (مختلف مذاہب کے لوگوں کے لئے) عبادت گاہ کا کام دے گا۔"

محترم قارئین! آپ خود فیصلہ کرسکتے ہیں کہ کیا کسی مسجد میں ہندوؤں کو جو بتوں کے سامنے ہاتھ جوڑتے اور جھکتے ہیں، اپنے بت لانے اور اس کے آگے ہاتھ جوڑنے کی اجازت دی جاسکتی ہے؟ اس جسارت کے بارے میں کتاب "عبدالغفار خاں...... سیاست وعقائد" کے مصنف مفتی مدرار اللہ مدرار نقشبندی نے بہت ایمان افروز تبصرہ کیا ہے، جو درج ذیل ہے:

"ایسا دعویٰ وہی شخص کرسکتا ہے، جو اسلام کی مبادیات سے بھی واقف نہ ہو اور نہ مساجد کی
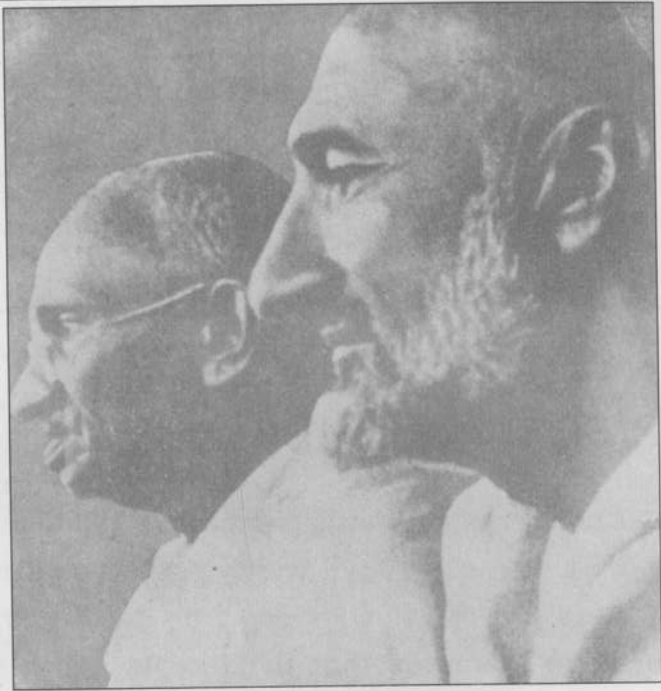
گاندھی اور غفار خان

حرمت اور قدر و قیمت کو جانتا ہو۔ مساجد کبھی مختلف قوموں کی مشترکہ عبادت کے لئے نہیں بنائی گئی تھیں۔ اسلام سے قبل خانہ کعبہ میں اور اس کے ردگرد جو تین سو ساٹھ بت نصب تھے فتح مکہ کے دن آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سب کو توڑ پھوڑ کر مسجد حرام سے باہر پھنکوا دیا اور خانہ کعبہ کو جو جاہلیت کے زمانے میں مشترکہ عبادت کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا' خدائے واحد لاشریک کی عبادت کے لئے مختص کیا گیا اور مشرکوں کا داخلہ مسجد حرام میں ممنوع قرار دیا گیا۔ یہ ممانعت زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لے کر اب تک چلی آ رہی ہے۔ لوگ وہاں جا کر بچشم خود دیکھ سکتے ہیں۔ آیت کریمہ ہے: (ترجمہ)

''یقیناً مسجدیں اللہ ہی کے لئے ہیں۔ پس تم اللہ کے سوا کسی اور کو نہ پکارو۔''

عبدالغفار خان نے مساجد کو سب قوموں کے لئے مشترکہ عبادت گاہ قرار دے کر معاذ اللہ توحید و شرک کو ہم پلہ قرار دیا۔

خان غفار خان کا گاندھی کے پاؤں دھونا

Mornings and evenings they went out together for their constitutional and, along with the inmates, collected stones in the fields and carried them to the mahila ashram to store them there for future construction . On their return abdul ghaffar helped gandhi to wash his feet the work generally done by kasturba.

''وہ دونوں گاندھی کے ساتھ صبح وشام تفریح کے لئے باہر نکلتے اور اپنے دوسرے ہم مکینوں کے ساتھ کھیتوں سے پتھرا کٹھے کر کے صلا آشرم میں لاکر آئندہ کی تعمیر کے لئے جمع کرتے۔ان کی واپسی پر عبدالغفار خان گاندھی کے پاؤں دھونے میں ان کی مدد کرتے تھے۔ یہ کام عموماً (گاندھی کی بیوی) کستوربا کرتی تھی۔''

اسی موضوع پر گاندھی کے پرائیویٹ سیکرٹری پیارے لال کی بھی کتاب ہے، جس کا عنوان ہے:

MAHATMA GANDHI. THE LAST PHASE

اس کتاب سے دو اقتباسات ملاحظہ ہوں:

''بادشاہ خان کی طبیعت ناساز تھی۔انہیں شدید بخار تھا لیکن اس رات بھی ان کا اصرار تھا کہ وہ پہلے کی طرح حسب معمول گاندھی جی کے پاؤں ضرور دبائیں گے۔گاندھی جی نے انہیں روکنے کی کوشش کی۔غفار خان نے جواب دیا (شاید یہ تقسیم ہند کے بعد کا واقعہ ہے۔) یہ اس جگہ میرا آخری روز ہے۔ مجھے یہ خواہش پوری کر لینے دیں اس سے میری طبیعت بحال ہو جائے گی گاندھی جی غفار خان کو منع نہ کر سکے اور وہ پاؤں دبواتے رہے۔''

پیارے لال ہی کی کتاب سے ایک اور عبادت ملاحظہ ہو:

''ایک رات پہلے (6 مئی 1947ء) کو بادشاہ خان کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی لیکن وہ ساڑھے دس بجے تک جاگتے رہے۔ان سے کہا گیا کہ وہ اپنے اعصاب پر زیادہ بوجھ نہ ڈالیں تو وہ نہایت اداسی سے بولے عنقریب ہمیں ڈومینین آف پاکستان کی غلامی میں جانا پڑے گا۔

باپو سے دور، انڈیا سے دور، تم تمام لوگوں سے دور کسی کو کیا پتا کہ ہمارا مستقبل کیا ہوگا؟''

جب گاندھی جی نے یہ سنا تو انہوں نے کہا: ''بادشاہ خان ایک فقیر طبع شخص ہے۔ آزادی تو مل رہی ہے لیکن بہادر پٹھان آزادی سے محروم رہیں گے۔۔''

کیا آج جب ولی خان ڈیورنڈ لائن کو تسلیم نہ کرنے یعنی افغانستان اور سرحد کو ملانے کی بات کرتے ہیں اور محترمہ نسیم ولی خان کہتی ہیں کہ ہم پاکستان میں رہنے کے بارے میں سوچیں گے تو کیا آپ ان احساسات کو خان عبدالولی خان کے نظریات اور احساسات سے الگ کر کے دیکھ سکتے ہیں۔

جنت کے بارے میں خان برادران کے ریمارکس

جنت کے بارے میں عبدالغفار خان کے الفاظ ملاحظہ ہوں، ان لفظوں کے پیچھے جو طنز اور ٹھٹھا چھپا ہے، اس کا آپ بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں:

''یہ تو ثواب کمانے والے لوگ تھے، جو چاہتے تھے کہ تسبیح اور وظائف (اوراد) کے زور سے اس دوسرے جہان میں اپنے لئے جنت حاصل کریں اور جنت بھی کونسی جنت کہ اس میں حوریں ہوں گی، غلمان ہوں گے، شہد، شراب اور دودھ کی نہریں بہتی ہوں گی۔ قسم قسم کے پھل ہوں گے کہ ان کے کانٹے کی تکلیف نہ ہوگی۔ صرف منہ کھولو، آن میں پھل منہ میں آ گریں گے۔

اور اب نقل کفر کفر نباشد، اللہ ہمیں معاف فرمائے

قارئین محترم! آخر میں عبدالغفار خان کے بڑے بیٹے غنی خان کی نظم کے کچھ اشعار، اے اللہ ہمیں معاف فرما، کیونکہ ہم ''نقل کفر، کفر نباشد'' کے مصداق، صرف اس لئے یہ اشعار پیش کر رہے ہیں کہ اس ''ہمہ خانہ آفتاب است'' کے دیگر ارکان کے خیالات سے پڑھنے والوں کو آگاہی دلانا چاہتے ہیں۔ آپ ولی خان صاحب کے سگے بھائی اور شاعر واقع ہوئے۔ یہ دو شعر مفتی مدرار اللہ مدرار نے اپنی کتاب ''خان عبدالغفار خان سیاست اور عقائد'' میں صفحہ 233 پر نقل کئے اور لکھا ہے

کہ انہیں غنی خان کے مجموعہ کلام ''فانوس'' سے لیا گیا ہے۔ ملاحظہ کیجئے۔
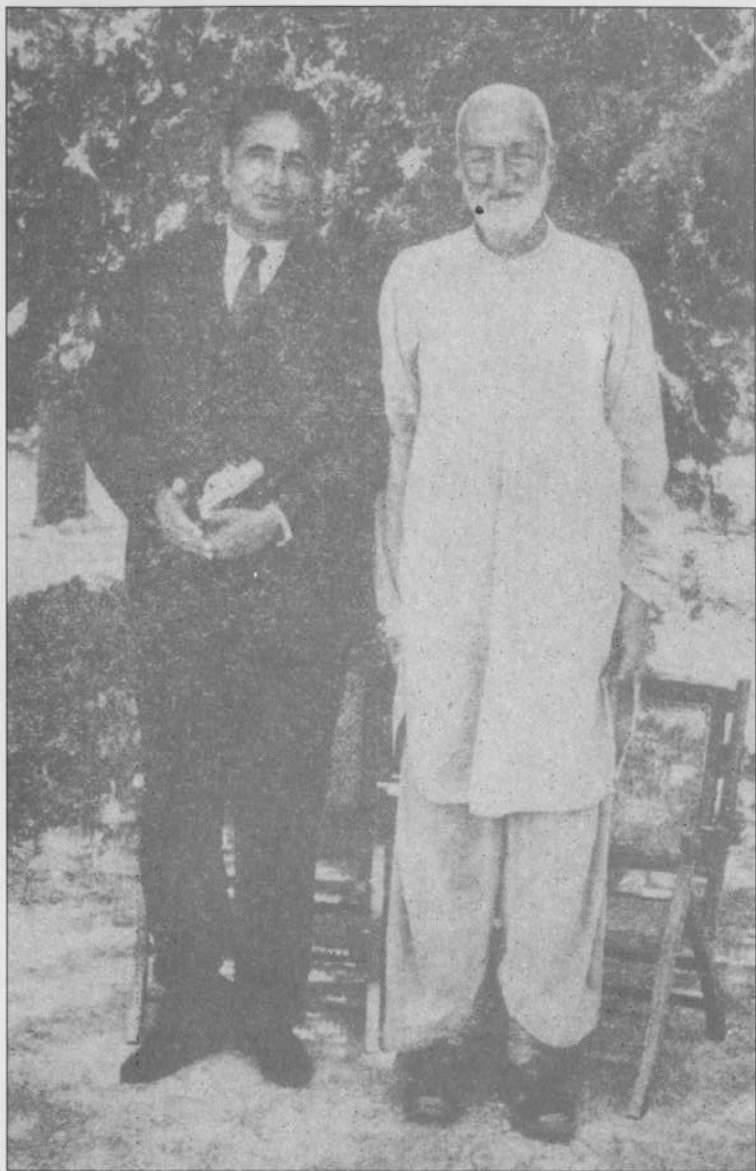
عبدالغفار خان اور غنی خان

وئ مولہٗ جان چہ پہ جنت کنبی حورے پندے دی

غٹے غٹے ستر کی سپینے مستے او بربندے دی

(ترجمہ:۔ ملا جان کہتا ہے کہ جنت میں موٹی موٹی آنکھوں والی سفید مست و بے باک حوریں اکٹھی بیٹھی ہیں، جبکہ وہ بالکل ننگی ہیں۔)

دغہ کہ جنت دی مولہ رب دے ورلہ بوزہٗ زرہ

دعہ دلہ توب نہ زما زرحلہ دے، خوبنن سقر

(ترجمہ: اگر جنت ایسی ہی ہو جس کا تو بیان کرتا ہے اسے ملا، رب تجھے جلدی وہاں لے جائے۔ مجھے تو ایسی بے غیرتی سے ہزار دفعہ دوزخ پسند ہے۔)

مفتی مدرار اللہ مدرار جو خطیب بھی تھے، ان شعروں کو نقل کرتے وقت یہ تبصرہ کرتے ہیں کہ:

''اس کتاب میں اور بھی بے ہودہ قسم کے اشعار موجود ہیں، جن کو نقل کرنا طبع سلیم پر گراں گزرتا ہے۔ مذکورہ اشعار میں غنی خان نے ملاؤں، جنت اور حور و غلمان کو لچر قسم کی گالیاں دی ہیں۔ ہم نے بادل نخواستہ اس کے صرف دو شعر پیش کئے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ

قارئین محترم ......! واقعی یہاں پہنچ کر ہم جیسے گناہ گار سے گناہ گار مسلمان کی ہمت جواب دے جاتی ہے، اللہ تعالیٰ ان ''کفرانہ'' کلمات کو نقل کرنے پر ہمیں معاف فرمائے۔ اللہ تعالیٰ ان سب پٹھان مسلمانوں کے حال پر رحم فرمائے، جو آج بھی خان برادران کے سیاسی او شخصی ''سحر'' میں گرفتار ہیں۔ پٹھان تو دینداری میں، شجاعت میں اور بہادری میں بے مثل ہوتا ہے۔ یقیناً یہ غلط فہمی پر مبنی ہے یا غفار خان کے اصلی نظریات ان تک نہیں پہنچے ہوں گے۔ وہ سب ہمارے مسلمان بھائی ہیں اور ہماری ANP کے ارکان (جو خدائی خدمت گار تحریک سے متاثر رہے یا جن کے بزرگ اس سے وابستہ رہے) سے درخواست ہے کہ اس لٹریچر کا خود مطالعہ کریں کسی جگہ ہماری فکر نے ٹھوکر کھائی ہے تو ہماری اصلاح کریں اگر ان کے بعض بڑوں کے خیالات غیر اسلامی تھے تو اپنی اصلاح کریں اور ایسا راستہ اختیار کریں کہ پاکستانی مسلمان کی حیثیت سے ہماری دنیاوی زندگی تو جیسی گزری ہے وہ ظاہر ہے کہ مشکلات و مصائب کا طوفان ہے،

جس میں ہم پھنسے ہوئے ہیں' کم از کم ہماری آخرت تو تباہ نہ ہو کہ ایک دن ہم سب نے مرنا ہے' اورخدا کے حضور پیش ہونا ہے۔ قائداعظمؒ خان غفار خاں' ڈاکٹر خان صاحب' قیوم خان' گاندھی' نہرو' آزاد' یہاں کون موجود ہے' وہ جو شاعر نے کہا ہے کہ:

موت سے کس کو رستگاری ہے
آج ہم' کل تمہاری باری ہے

اللہ تعالیٰ ہم سب کو گمراہی سے بچائے۔ مسلمان کے لئے رول ماڈل نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہو سکتے ہیں اور کوئی نہیں۔

☆☆☆

ولی خان بھارت کے یوم جمہوریہ کے موقع پر بھارتی سفیر کے ساتھ

عبدالغفار خان 64ء میں پختونستان ڈے پر خطاب کرتے ہوئے

ولی خان کی پشتو تقریر کا کیسٹ

قارئین کرام! گفتگو کو آگے بڑھانے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ باچا خان کی برسی پر پشتو زبان میں موصوف نے جو تقریر کی تھی، اس کا اُردو ترجمہ پیش کر دیا جائے۔ یہ کیسٹ اے این پی کے حوالے سے ''خبریں'' کے ایڈیٹر کو دی گئی، کیونکہ گزشتہ ہفتے ہم نے جناب اجمل خٹک سے کہا تھا، جیسا کہ آپ کہتے ہیں کہ ولی خان نے اس تقریر میں کوئی قابل اعتراض بات نہیں کہی، لہٰذا آپ اس جلسے کی اصل کیسٹ ہمیں دے دیں تا کہ ہم اسے چھاپ دیں۔ چنانچہ کیسٹ کا اُردو ترجمہ ''خبریں'' کے اسلام آباد دفتر میں خیر محمد محسود نے کیا ہے، تاہم پشاور سے آمدہ بعض اطلاعات کے مطابق کیسٹ ایڈٹ شدہ ہے، یعنی اے این پی والوں نے اس تقریر میں سے بعض قابل اعتراض حصے نکال دیئے ہیں۔ یہ بات سچ یا جھوٹ، اس بحث سے قطع نظر پہلے آپ اس کیسٹ میں محفوظ تقریر کا اُردو ترجمہ پڑھ لیجئے:

''بہادر اور پھول جیسے بچو! آج ہم باچا خان کی برسی کے لیے آئے ہیں، برسی کی باتیں کریں گے اور باچا خان کی باتیں کریں گے۔ اس جلسے نے پختونستان کا رُخ اختیار کر لیا ہے۔ سب سے پہلے تو میں اجمل خٹک صاحب، نسیم ولی اور ان کے تمام ساتھیوں کو مبارکباد دیتا ہوں، اور شکریہ ادا کرتا ہوں کہ بابا کی اس برسی پر وہ اتنا عظیم اجتماع کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں، اور آپ لوگوں کی سرخ ٹوپیوں کو سلام پیش کرتا ہوں اور محسوس کرتا ہوں کہ باچا خان جنت سے جب نیچے دیکھیں گے تو وہ آج اپنی قوم سے بہت خوش ہوں گے کہ وہ اتنی بڑی تعداد میں ان کی سالگرہ پر جمع ہوئے ہیں۔''

''باچا خان کے دنیا میں چند ارمان تھے۔ سب سے پہلا ارمان یہ تھا کہ پختون قوم ایک پلیٹ فارم پر منظّم ہو، ان میں دوستی اور برادری پیدا ہو، آپس میں محبت و یگانگت پیدا کریں۔ آج میں باچا خان کو مبارکباد دیتا ہوں اور ان سے کہتا ہوں کہ بابا آپ آئیں اور دیکھیں کہ آپ کے

بچے آپ کی وفات کے بعد اتحاد کے ساتھ اکٹھے ہوئے ہیں۔ وہی سرخ کپڑے اور وہی سرخ ٹوپیاں ہیں اور اسی لباس میں آپ کے بچے آج بھی حاضر کھڑے ہیں اور بابا آپ کو مبارکباد دیتے ہیں کہ آپ کا یہ ارمان پورا ہو گیا ہے۔''

''دوسرا ارمان یہ تھا کہ پختون بحیثیت قوم منظم ہوں اور ان میں ایسے لوگ پیدا ہو جائیں کے خدا کی مخلوق کی خدمت اللہ کی رضا کے لئے کریں۔ یہاں انہوں نے خدائی خدمت گار کے نام سے ایک تنظیم کی بنیاد رکھ دی۔ جب ہمارا ملک آزاد ہوا تو آزادی کے بعد اس تنظیم پر پابندی لگا دی گئی، مگر آج ان بوڑھے خدائی خدمت گاروں کے بچے بہادروں کی طرح اس ملک میں موجود ہیں۔ آئیں بابا خود دیکھ لیں کہ وہی بہادر نوجوان جیسا کہ آپ کے ساتھ اٹھے تھے، آج ویسے ہی اسی مقصد کے لئے اٹھے ہیں۔ ایک دفعہ پھر مبارکباد ہو۔''

''بابا کا ایک ارمان یہ بھی تھا کہ وہ اس ملک میں تعلیم یافتہ نوجوانوں کی ایک تنظیم بنائیں تا کہ وہ اس دھرتی پر علم کی روشنی پھیلائیں۔ آج میں پھر کہتا ہوں کہ بابا آئیں اور دیکھیں، پختون سٹوڈنٹس فیڈریشن کے جوان دیکھیں، اپنے بچوں اور اپنے نواسوں کو دیکھیں، جو علم کی روشنی پھیلانے میں مصروف ہیں۔ آج میں آپ کو ایک اور مبارکباد دیتا ہوں۔ لوگ کہتے ہیں کہ برسی کے موقع پر تالیاں نہیں بجنی چاہئیں، لیکن میں کہتا ہوں کہ ہم اپنے غازیوں اور شہیدوں کی برسی ڈھول کے ساتھ مناتے ہیں۔ اس میں حیرانی کی کوئی بات نہیں، یہاں قاضیوں اور ملاؤں کی ضرورت نہیں، بلکہ تالی بجانے والے پرعزم نوجوانوں کی ضرورت ہے۔ ہم تو قرآن شریف کی اس آیت سے مطمئن ہیں: ولاتقولولمن یقتلوافی سبیل اللہ اموات۔ (جو بھی اللہ کی راہ میں قربان ہوتے ہیں، وہ زندہ ہوتے ہیں مگر آپ لوگ نہیں سمجھتے۔)''

''کون کہتا ہے کہ باچا خان فوت ہوئے ہیں۔ وہ آج بھی زندہ ہیں اور میں باچا خان کو مبارکباد دیتا ہوں کہ ان کی زندگی کے بعد ان کا یہ ارمان پورا ہوا کہ وہ پورے صوبے میں سکول کھولیں، اس سلسلے میں انہوں نے سب سے پہلے تورنگ زئی میں سکول کا سنگ بنیاد رکھا اور میں اس سکول کا سب سے پہلا بچہ تھا، جو باچا خان کے سکول میں داخل ہوا۔ آج میں کہتا ہوں کہ آئیں باچا خان! کہ آپ کا یہ شوق پورا کرنے کے لئے آج ہمارے دوست اساتذہ اٹھ کھڑے ہوئے ہیں، اور وہی آپ کا مشن لئے آپ کی قوم کے بچوں کو تعلیم دیتے ہیں، جیسا کہ آپ دیا

کرتے تھے۔ زندگی کے ہر شعبے کے لوگ ہمارے ساتھ ہیں۔ ہمارے ساتھ ڈاکٹر بھی ہیں، اساتذہ بھی ہیں اور وکیل بھی ہیں، اللہ ان سب کو آباد رکھے۔ میں کس کس کو یاد رکھوں گا۔''

''باچا خان کی زندگی کے مقصد کی ایک ایک چیز ہم منزل تک پہنچا چکے ہیں اور ہم دعوے سے کہہ سکتے ہیں کہ آج پختون قوم ایک نعرے کے ساتھ اکٹھی ہوئی ہے۔''

''دوسری بات جو باچا خان کا ارمان تھا، جب پاکستان بنا اور بابڑا میں جلسے پر گولیاں چل گئیں اور لوگ شہید ہوئے تو باچا خان نے کوشش کی کہ شہیدوں کی ایک یادگار بنائیں، لیکن آزاد حکومت، فرنگی حکومت سے بھی بدتر نکلی اور یہ یادگار 15 برس بعد بن سکی۔ آج پنجاب کے اخبارات ہمیں طعنہ دیتے ہیں، باچا خان نے فرنگیوں کے ہاتھوں 15 سال قید میں گزارے اور پاکستان کی آزادی کے بعد بھی دس سال قید گزار دی۔ آپ لوگ خود سوچ لیں کہ اس ملک کو جنہوں نے آزادی دلائی، وہ جیل خانوں میں پڑے رہتے ہیں اور جنہوں نے یہ ملک فرنگیوں کو بیچ دیا، وہ آج حاکم بنے ہوئے ہیں۔ آج بابڑا کے شہیدوں کی یادگار بھی باچا خان کو مبارک ہو۔''

''اس کے بعد باچا خان کا ایک اور ارمان تھا، اگر آپ لوگوں کو یاد ہو کہ انہوں نے ایک مرکز بنا دیا تھا جو سردریا کے کنارے تھا اور اس مرکز میں تمام تر مزدوری خدائی خدمت گاروں نے خود کی۔ میں نے اپنی آنکھوں سے باچا خان کو دیکھا ہے کہ وہ تغاریاں اٹھاتے تھے اور اینٹیں دیتے، میں نے امیر محمد خان لالہ کو دیکھا ہے کہ وہ بھی شانہ بشانہ کام کرتے تھے اور ہر ایک خدائی خدمت گار نے اس میں کام کیا تھا۔ وہ مرکز جب بن گیا اور جب ملک آزاد ہوا، اور اسلام کی بادشاہی شروع ہوگئی تو وہ مرکز انہوں نے گرادیا۔ اس ڈبل سٹوری منزل کو بموں سے اڑادیا گیا۔''

''بابا! آپ کا یہ ارمان بھی ان جوانوں نے پورا کیا اور مرکز کو بھی بنا دیا گیا۔ لو تمہاری ساری عمر کا ارمان پورا ہوگیا، لیکن میں ان لوگوں کو یہ کہتا ہوں کہ باچا خان کے مرکز کو گرانے سے کیا فائدہ، اسے یتیم خانہ بنا دیا ہوتا، سکول میں تبدیل کرادیا جاتا، آج تک ان سے کوئی نہیں پوچھتا۔ لیکن نسیم اور ان کے ساتھیوں نے تین منزلہ مرکز بنا دیا ہے جس کے لئے وہ اور ان کے ساتھی مبارکباد کے مستحق ہیں۔''

''باچا خان کا ایک سے ایک ارمان پورا ہوتا ہے۔ ان تمام کاموں سے بڑھ کر جو ہمارے کرنے کے لئے باقی ہے۔''

بیگم نسیم ولی خان

''اخبار والے نے لکھا تھا کہ نسیم ولی نے کہا ہے کہ پختونخوا کی قرارداد باچا خان کی زندگی کے مقصد کی طرف اولین قدم ہے۔ وہ پوچھتے ہیں کہ باچا خان کا پختونخوا آزادی کا نام ہے، حالانکہ آزادی تو ہمیں فرنگی دیتا تھا۔ لیکن ہم آزادی مانگتے نہیں بلکہ اس کو چھینتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم باچا خان کو یہ کہتے ہیں کہ یہ ایک مقصد باقی ہے اور اسی مقصد کی خاطر آج میں آپ لوگوں کے ہاں آیا ہوں۔ باچا خان پختونوں کے لئے اپنا حق مانگتے تھے۔ باچا خان جب بھی تقریر کرنے کھڑے ہوتے تھے تو وہ یہ بات کرتے تھے کہ فرنگی 9 ہزار میل دور سے آئے ہیں۔ فرنگی کے بچے کے لئے بنگلہ ہے، اس کے لئے گاڑی ہے، اس کے لئے باغ ہیں اور پختون بچے بھوکے ننگے اپنی مٹی پر تڑپ رہے ہیں۔''

''پختونستان پر بہت بحث ہو چکی ہے، میں نے بہت پہلے یہ بات کی تھی، جس پر یہ لوگ ناراض بھی تھے۔ پختونستان کا جو مسئلہ ہے، وہ تو اسمبلی میں پیش ہو چکا ہے اور اسے اسمبلی نے پاس کیا اور جب اسمبلی نے پاس کیا تو یہ مسئلہ حل ہو گیا ہے۔ اس کتاب کو ہم نے بند کر دیا ہے۔ اس صوبے کا نام پختونخوا ہے اور کسی کا باپ بھی اسے تبدیل نہیں کر سکتا۔ ایک بنیادی بات اور ہے جس اسمبلی نے اس قرارداد کو پاس کیا ہے، اس کو یہ اختیار حاصل ہے کہ نہیں؟ جھگڑا اسی بات پر ہے۔''

''آج جب پنجاب کے اخبارات زور لگا رہے ہیں اور لوگوں کی توجہ اصل مسئلے سے اِدھر اُدھر کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، وہ یہ ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ نام کا مسئلہ تو حل ہو گیا ہے، میرا کوئی بیٹا پیدا ہو گا تو میں اس کا نام عبدالجبار رکھوں گا۔ وہ کہیں گے کہ اللہ دتہ رکھیں، یہ مسئلہ آپ کا ہے، یہ میرا اپنا صوبہ ہے اور میرے اپنے صوبے نے اپنی اسمبلی میں تجویز پیش کی ہے، تو وہ کہتے ہیں کہ یہ ایک خاندان کا مسئلہ ہے۔''

''جناب نام کی قرارداد کو اسمبلی نے پاس کیا، اب جھگڑا صوبے کے اختیارات کا ہے۔ ایک بات ان کو سننی چاہئے۔ حاجی بلور نے بیان دیا کہ ون یونٹ بن گیا، میں نے کہا کہ اُس یونٹ اور موجودہ یونٹ میں فرق ہے۔ آپ سب پڑھے لکھے لوگ ہیں، آپ خود غور کریں۔ اس یونٹ میں ہمارے ساتھ ہمارے بنگالی ساتھی تھے۔ وہ ممبر تھے، انہوں نے آزادی مانگی اور وہ آزاد ہو گئے۔ اب تو مرکز میں بھی یونٹ ہے اور صوبے میں بھی یونٹ ہے۔ میں تو یہ بات کرتا ہوں کہ یہ عجیب سا ملک ہے۔ ایک چیف جسٹس صاحب اٹھے ہیں، جن کا قد اتنا سا ہے اور وہ بونا ہے۔ آج وہ بھی ہمارے گلے پر چھلانگ لگا کر ہمارا گلا گھونٹنے کی کوشش کر رہا ہے اور وہ کہتا ہے کہ توڑ دو، اس اسمبلی کو۔''

''جھگڑا نام کا نہیں ہے، مجھے کسی نے کہا کہ پنجابی کو اس پر کیا اعتراض ہے کہ اگر صوبے کا نام پختونخوا رکھ دیا جائے، میں نے کہا کہ یہ لوگ بڑے استاد ہیں، صوبے کا تو ویسے مسئلہ بنا رہے ہیں۔ اصل جھگڑا کالا باغ ہے، پنجابی کہتا ہے کہ ہم کالا باغ ڈیم بنائیں گے، جبکہ یہ اسمبلی کہتی ہے کہ آپ اسے نہیں بنا سکتے۔ اگر اسمبلی کو اختیار حاصل ہے اور با اختیار ہے تو یہ کہتی ہے کہ کالا باغ ڈیم نہیں بنے گا۔ اس لئے یہ اب اسمبلی توڑنے کی باتیں کرتے ہیں تا کہ کالا باغ ڈیم بنایا جا سکے۔''

''میں یہ پوچھتا ہوں، اور ہم بات صاف ستھری کرتے ہیں اور میدان میں کرتے ہیں کہ ہم اپنی اسمبلی کا اختیار کسی کو نہیں دیتے۔ ہم ون یونٹ نہیں مانتے۔ اس ون یونٹ میں ہمارے لوگ جیلوں میں 25 سال تک رہے تھے اور ہمارے ہزاروں لوگ پاکستان کی مختلف جیلوں میں قید کئے گئے تھے۔ لیکن پھر بھی ہم نے ون یونٹ نہیں تسلیم کیا، نہ اس وقت مانتے تھے اور نہ اب مانتے ہیں اور نہ کسی کا باپ ہم سے منوا سکتا ہے۔''

''رہ گئی صوبائی خودمختاری کی بات، اس میں بھی ہمارا کردار اور گفتار صاف اور واضح ہے۔ جب انتخابات ہوئے تو اس پاکستان میں دو صوبے ہمارے ساتھ تھے، اور دو صوبے پیپلز پارٹی کے ساتھ۔ اس وقت کے وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو نے بلوچستان میں ہماری حکومت کو برطرف کردیا۔''

''21 ممبر عطاء اللہ مینگل کے ساتھ تھے اور 7 دوسری طرف تھے۔ اس صوبے میں ہم اور مفتی صاحب اقتدار میں شریک تھے، لیکن ہم ساری عمر اگر آپ لوگ غور کریں تو آج تک وزارتوں کے غلام نہیں بنے ہیں، اس وقت ہمارے پاس 15 ممبر تھے اور مفتی کے ساتھ چار ممبر تھے۔ لیکن وزارت ہم نے ان کو دی تھی، جب بیٹھ گئے تو ابھی ایک گھنٹہ نہیں گزرا تھا کہ فیصلہ ہوا کہ بھٹو نے جو حملہ صوبائی خودمختاری پر کیا تھا، اس کے خلاف ہم نے استعفیٰ دے دیا اور وزارتیں ہم نے چھوڑ دیں۔ آج بھی ان کو کہتے ہیں کہ ہم وزارتوں کے عاشق لوگ نہیں اور کیا وزارتیں ہیں؟ تین وزارتیں دی ہیں۔ بشیر بلور اور ہاشم خان اپنے اپنے گھروں میں رہتے ہیں، ایک فرید طوفان حکومت کے گھر میں رہتے ہیں، تو پھر کیا ایک گھر اور تین گاڑیوں کے پیچھے ہم صوبہ بیچ دیں۔ ہم کوئی دیوانے تو نہیں ہوئے۔ اب ہم پوچھتے ہیں کہ کیا کہتے ہیں ہم کو، وہ اپنے ایمان کے ساتھ دوسروں کے ایمان کو بھی تولتے ہیں۔ ہم نے ہمیشہ وزارتیں چھوڑی ہیں، یہ لوگ وزارتوں اور پرمٹوں پر بکتے ہیں۔ کوئی کس نام سے بکتے ہیں، اور کوئی کس نام سے۔''

''لوگ کہتے ہیں کہ مرکزی وزیر کو تو بھلا دیا، اس میں تو علت ہے، کل اجمل خٹک صاحب مجھ سے بات کررہے تھے کہ کسی نے پوچھا کہ باقی ساری وزارتیں تو آپ لوگ چھوڑ دیں گے، لیکن مرکزی وزارت چونکہ بیگم نسیم کے بھائی کی ہے، تو وہ آپ کیسے چھوڑیں گے؟ تو میں نے کہا کہ وہ اپنا آدھا سامان تو کل ہی لے آیا ہے۔ وہ جو پرمٹ پر بکتے ہیں، وہ جو ڈیزل پر بکتے ہیں، وہ لوگ اور ہیں، ہم نہیں ہیں۔''

''ہم واضح بات کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ خدا تم لوگوں کو سنبھالے رکھے اور کل ہم نے نواز شریف کے ساتھ بات پوری نہ کی، اور ہم نے وزیراعظم کو اس بات پر مطمئن نہ کیا۔ ہمارے صوبے کے نام کا مسئلہ ہی اس کا حل ہے، اس پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اب جھگڑا اس بات کا ہے کہ آیا صوبے کا کوئی اختیار ہے کہ نہیں۔ اگر وہ کہتے ہیں کہ ہم بھی نوائے

وقت کی بات مانتے ہیں تو پھر میں یہ کہتا ہوں اور اس کے بھائی شہباز شریف کو بھی کہتا ہوں کہ ایسے حالات میں جب آپ کا نوائے وقت اور سابق چیف جسٹس، اسمبلی کے توڑنے کی بات کرتے ہیں۔ اگر آپ لوگ اس کو مانتے ہیں تو پھر ہمارا یہ راستہ اور، تمہارا وہ راستہ۔''

''ایک بات کروں گا۔نوائے وقت کو کہہ دیتا ہوں کہ ہم نے بہت وقت گزارا، ہم کہتے ہیں کہ ہم لوگ آپ کے دوست اور بھائی ہیں، لیکن آپ کہتے ہیں کہ نہیں آپ دین کے دشمن ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں، آپ کہتے ہیں کہ نہیں آپ لوگ کافر ہیں۔ہم کہتے ہیں کہ پاکستان کے وفادار ہیں اور آپ کہتے ہیں کہ نہیں اور میں کہتا ہوں کہ آپ جو بات کرتے ہیں، آپ اس سے ہمارا کیا بگاڑ سکتے ہیں، آپ لوگ کیوں ہمیں الٹی سیدھی باتوں پر مجبور کرتے ہیں۔''

''مجھے یاد ہے یہاں میرے ساتھی بیٹھے ہیں، ان کو یاد ہے کہ اسمبلی میں، میں نے بھٹو کو کہا، اگر آپ مجھے پیچھے کی طرف دھکے دیں گے، تو میں جاتے جاتے دیوار تک پہنچ جاؤں گا۔ لیکن جب دیوار تک پہنچ جاؤں گا تو پھر اس سے زیادہ تو میں پیچھے نہیں جا سکتا۔ پھر دو راستے ہیں، یا تو میں آپ کے پاؤں پڑ جاؤں یا تمہیں گلے سے پکڑ کر رکھوں۔تو میں نے کہا کہ مجھے دیکھو کہ میں چھ فٹ 3 انچ کا پختون ہوں، میں فرنگی کے سامنے نہیں جھکا تو آپ کون ہوتے ہیں کہ آپ کے سامنے جھک جاؤں۔ میں ان کو بھی یہ کہتا ہوں کہ پختون کے گریبان سے ہاتھ نکال لیں۔ ایک دن باچا خان نے مجھے کہا کہ بیٹا آپ کی باتیں تشدد سے بھرپور ہیں۔ میں نے کہا بابا مجھے ایک بات سمجھا دیں کہ جو آدمی جس زبان میں سمجھتا ہو، اس سے اس کی زبان میں بات کرنی پڑتی ہے اور اگر میں نے پشتو میں بات کی، تو وہ کیا سمجھیں گے۔ میں نے کہا کہ بابا اگر کوئی کتا آپ کے پیچھے پڑ جائے، وہ آپ پر بھونکتا ہو اور آپ اس پر کلام اللہ پڑھیں تو کتے پر کیا اثر پڑے گا، کتا تو ایک ہی زبان سمجھتا ہے۔ وہ تو اینٹ اور لاٹھی کی زبان سمجھتا ہے۔''

''میں بھی ان کو کہتا ہوں کہ کان کھول کر سن لیں، یہ سرخ ٹوپیاں شہد کی مکھیاں ہیں، اور جب بھی یہ آپ کا پیچھا کریں گی تو آپ خود کو نہیں چھڑا سکیں گے۔ یہاں تک کہ آپ کی دونوں آنکھوں کو نکال دیں گی اور اگر یہ مکھی آپ کی شلوار میں گھس گئی تو پھر آپ کیا کریں گے۔ پھر آپ کو شرم کا سامنا ہوگا۔ ہم کسی کے حق پر ڈاکے ڈالنے والے نہیں، لیکن باچا خان کی آخری خواہش پوری کر کے رہیں گے۔ ہم تو اسی ملک میں ایسے لوگوں کے ہاتھ میں محکوم ہیں کہ پختون

کے بچے کے لئے پینے کا پانی بھی میسر نہیں ہے۔ حالانکہ فرنگی لسی چھین لیتے تھے مگر پینے کا پانی فراہم کرتے تھے اور یہ کہتے ہیں کہ جھگڑا پختونخوا کا نہیں ہے، بلکہ جھگڑا پختون قوم کے حقوق کا ہے۔ آج ہمارا صوبہ ہے، اس کے جنگل مرکز کے پاس ہیں۔ صوبہ تو ہمارا ہے مگر اس کے خزانے مرکز کے اثاثے ہیں۔ ہمارے صوبے کی جو بھی آمدن ہے، وہ مرکز کے پاس جاتی ہے۔ بجلی ہماری ہے، اگر ہم پختونوں نے غیرت کی اور بجلی مرکز سے لے لی تو ہمارا صوبہ تمام صوبوں سے امیر ہو جائے گا۔ آج اس پر جنگ ہے، پختون کے اس صوبے کے حق پر جنگ ہے۔ آج اس پر جنگ ہے کہ ہم اپنا حق لے کر رہیں گے۔ نسیم اور ان کے ساتھیوں کو پختونخوا مبارک ہو، اب ہم صرف اور صرف اپنے صوبے کی دولت کے بارے میں جنگ لڑیں گے۔ ہم کسی کی روزی نہیں مانگتے، لیکن آج کے بعد یہ فیصلہ ہے کہ ہم اپنی روزی کسی کو معاف بھی نہیں کریں گے، اور یہ ہر کسی کو کہتے ہیں کہ زکوٰۃ مرکز کی، عشر مرکز کا ہے۔ آٹا نہیں ہے تو میں نے ایک تجویز پیش کی۔ ہم نے ہمیشہ دریائے سندھ کے پانی کی تقسیم کی بات کی ہے۔ اب بھی کہتے ہیں کہ پانی ہمارا ہے، لیکن اس کا اختیار کسی اور کے پاس ہے۔ ہم اپنے کھیت تک پانی نہیں لے جا سکتے ہیں، آج خوشی کی بات ہے کہ پختون منظم طریقے سے اپنے حقوق کی خاطر اٹھ کھڑے ہوئے ہیں اور باقی لوگوں کو بھی یہ کہتے ہیں کہ کچھ تو غیرت کریں اور اٹھیں، اور ایک آواز ہو جائیں کہ جو کچھ بھی ہو۔ ہمیں پختون کے حقوق کے لئے ایک ساتھ ہونا ہے اور جب تک ہم اس صوبے میں اپنی حکومت نہیں بناتے ہمارے مسائل حل نہیں ہوں گے۔ ہماری جنگ نہ پختونخوا کے لئے ہے اور نہ کسی اور مقصد کے لئے، بلکہ صرف اور صرف صوبے کے حقوق کی جنگ ہے۔ خوشحال خٹک کہتا ہے:

''کہ افغانوں کی ناموس پر میں نے تلوار اٹھائی ہے، اور زمانہ یہ تسلیم کرتا ہے کہ میں زمانے کا بہادر ترین خٹک ہوں۔''

پختونوں کو گھر میں لڑانے کے لئے مخالفین کئی حربے استعمال کرتے ہیں۔ یہ ہمارے جو بھائی افغانستان سے آئے ہیں، ان کو یہ لوگ مہاجر کہتے ہیں۔ ضیا الحق نے ایک دفعہ مجھے کہا کہ مہاجر افغانستان سے آئے ہیں تو میں ہنس دیا۔ میں نے کہا کہ اگر یہ لوگ آئے ہیں، تو ان کو کیا دے رہے ہیں، اس پاکستان میں۔ میں نے کہا کہ مہاجر تو آپ ہیں کہ پنجاب سے آئے ہو اور پشاور میں جائیداد کے مالک بن بیٹھے ہو۔ یہ بات واضح ہے کہ جو لوگ افغانستان سے یہاں

آئے ہیں، یہ لوگ ہمارے بھائی ہیں، نہ کہ مہاجر بلکہ وہ اپنی زمین پر رہتے ہیں۔ میں نے کہا کہ میرے والد نے نو سال افغانستان میں گزارے ہیں، کسی نے اس کو مہاجر نہیں کہا۔ ہم فرنگیوں کی تقسیم کو شروع سے ہی نہیں مانتے، ہماری اسمبلی نے فیصلہ کیا، اور وہی موجود ہے۔ کوئی اس کو ہلا جلا نہیں سکتا۔ اس طرح یہ لوگ کوشش کرتے ہیں کہ ہمارے اور قبائلی بھائیوں کے درمیان اختلاف پیدا کریں۔ یہ ہمارے بھائی ہیں، پختون ہیں اور ہمارے پڑوسی ہیں۔ ہر کسی کو گھر میں اختیار ہے کہ وہ جس طرح چاہے کرے، ہم تو جمہوریت پر یقین رکھتے ہیں۔ ہم ہر کسی کے ساتھ بردباری کے ساتھ پیش آتے ہیں، اور یہ خواب کوئی نہ دیکھے، لیکن جو بھی بات پختون بچوں کے حق کی ہے، ہم کسی بھی قیمت پر اس سے دستبردار نہیں ہو سکتے، اور ہم پختون بچوں کے حقوق بیچ نہیں سکتے۔ ہم اس چیز کی پروا نہیں رکھتے کہ کوئی اس سے خوش ہوتا ہے یا خفا۔

میں بوڑھا آدمی ہوں، میں نے یہی باتیں آپ سے کرنا تھیں، مجھے تکلیف ہے، لیکن آپ کی محبت نے مجھے مجبور کیا کہ آپ لوگوں کے پاس آیا ہوں۔ آپ سب کو یہ دن بھی مبارک ہو اور باچا خان کی برسی بھی مبارک ہو۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو خوش رکھے۔''

قارئین کرام! یہ ولی خان صاحب کی تقریر کا جو کیسٹ ہمیں اے این پی کے دوستوں سے ملا، اس کی پشتو تقریر کا اُردو ترجمہ ہے۔ آیئے اب دیکھتے ہیں کہ:

1- اس کیسٹ کو مکمل سمجھ لیں اور یہ فرض کرلیا جائے کہ اس میں سے کوئی حصہ ایڈٹ نہیں کیا ہوگا، تو بھی اس میں جناب ولی خان نے کیا کچھ کہہ دیا ہے اور وہ فیڈریشن سے آگے بڑھ کر کس حد تک کنفیڈریشن کا تصور دے رہے ہیں۔ نیز 1973ء کے آئین میں طے شدہ مسائل کو بھی وہ کس طریقے سے ایک بار پھر اٹھا رہے ہیں۔ جیسے ان پر پھر سے بات کرنا چاہتے ہوں۔

2- وہ کیا باتیں ہیں، جو پاکستان کے سبھی معروف اخبارات مثلاً جنگ، نوائے وقت، خبریں، پاکستان، جسارت، امت، ڈان، نیوز، نیشن، فرنٹیئر پوسٹ اور مسلم وغیرہ کی اس روز کی رپورٹ میں تو موجود ہیں، مگر اس کیسٹ میں موجود نہیں، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کیسٹ اصل نہیں ایڈٹ شدہ ہے، یا پھر بقول ولی خان صرف پنجابی پریس ہی نہیں، پورے ملک کا پریس ان کا دشمن ہے، اور ان کے کھاتے میں وہ باتیں بھی ڈال رہا ہے، جو انہوں نے نہیں کہیں۔

☆☆☆

اجمل خٹک اور ولی خان

صوبائی حقوق کا مطالبہ یا اعلان بغاوت

قارئین کرام! آیئے اب کیسٹ کے حوالے سے کچھ باتیں ہو جائیں۔ چند روز پہلے ولی خان صاحب کی تقریر پشاور کے جلسہ عام میں اخبارات میں چھپنے کے بعد 18 فروری کی صبح اے این پی کے سربراہ جناب اجمل خٹک صاحب سے میری ملاقات ہوئی۔ میں لاہور سے اسلام آباد پہنچا تھا، میری درخواست پر انہوں نے بڑی محبت سے ہماری گاڑی میں بیٹھنے کی پیشکش قبول کی اور ہم ایک ساتھ ایم این اے ہاسٹل گئے۔ ان کا انٹرویو 19 فروری کے ''خبریں'' میں چھپا جس کی سرخی یہ تھی۔

''خدا کی قسم، ولی خاں نے یہ نہیں کہا کہ سرحد میں پنجابی مہاجر ہیں: اجمل خٹک'' اس خبر کے متن میں پہلے چند جملے ملاحظہ ہوں:

''اے این پی کے سربراہ اجمل خٹک نے کہا ہے کہ میں خدا کی قسم، رسولؐ کی قسم، ایمان کی قسم، عقیدے کی قسم، غریب کی قسم اور پشتو کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ولی خان نے پشاور میں باچا خاں کی برسی کے موقع پر جلسہ عام میں تقریر کرتے ہوئے یہ نہیں کہا کہ سرحد میں پنجابی مہاجر ہیں۔

''خبریں'' کی طرف سے پوچھا گیا، ''جناب ولی خان صاحب کے حوالے سے جو کچھ چھپ چکا ہے، آپ مسلسل سب سے انکار کیے جا رہے ہیں۔''

اجمل خٹک نے کہا ''خدا کے لئے پنجاب والوں سے کہیں، ہم ان سے لڑنا نہیں چاہتے۔ میں آپ کو جلسہ عام کے کیسٹ پیش کر دوں گا۔ آپ خود دیکھ کر فیصلہ کریں۔''

یہ کیسٹ ہمیں کم وبیش ایک ہفتہ بعد ملی اور وہ بھی بار بار مانگنے پر، جس کا ترجمہ ہم گزشتہ باب میں پیش کر چکے ہیں۔ پشاور میں عام خیال یہ ہے کہ کیسٹ ایڈٹ کر کے کئی سخت باتیں

نکال دی گئی ہیں۔اس کے باوجود جو کچھ موجود ہے،اس میں یہ الفاظ شامل ہیں:

''ہمارے جو بھائی افغانستان سے آئے ہیں، انہیں یہ لوگ مہاجر کہتے ہیں۔ضیاالحق نے ایک دفعہ مجھے کہا کہ مہاجر افغانستان سے آئے ہیں،تو میں ہنس دیا۔میں نے کہا کہ مہاجر تو آپ ہیں کہ پنجاب سے آئے ہو اور پشاور میں جائیداد کے مالک بن بیٹھے ہو۔جو لوگ افغانستان سے یہاں آئے ہیں،وہ ہمارے بھائی ہیں نہ کہ مہاجر اور وہ اپنی زمین پر رہتے ہیں۔''

اجمل خٹک صاحب اب بتائیں!

قارئین محترم! اجمل خٹک صاحب سے یہ پوچھنے کو جی چاہتا ہے کہ جناب والا، ان جملوں کے بعد اگر ولی خان صاحب نے براہ راست یہ نہیں کہا کہ پنجابی مہاجر ہیں،تو بھی تقریر کے نوٹس لینے والے مختلف اخبارات کے رپورٹروں نے اگر ان کے الفاظ سے بطور خلاصہ یہ اخذ کیا کہ ولی خاں نے کہا کہ افغانستان سے آنے والے لوگ مہاجر نہیں، بلکہ پنجاب سے آنے والے مہاجر ہیں،تو اس میں کیا غلطی کی ہے۔ولی خاں نے جو کچھ کہا،اس کا یہی مطلب نکلتا ہے۔

اور اجمل خٹک صاحب! آپ نے خدا کی قسم،رسولؐ کی قسم، ایمان کی قسم،عقیدے کی قسم اور غریب کی قسم اٹھا کر جو یہ کہا ہے کہ ولی خاں نے سرحد میں آنے والے پنجابیوں کو مہاجر نہیں کہا، باقی قسمیں تو شاید آپ کے لئے اتنی بھاری نہ ہوں کہ آپ ''لبرل'' آدمی ہیں،لیکن یہ پشتو کی قسم جو آپ نے کھائی ہے،اس کے ٹوٹنے کا کیا بنے گا؟ کیونکہ وہ تو جھوٹی ثابت ہوگئی۔شاید ہمیں کیسٹ بھجوانے سے پہلے آپ نے اسے غور سے نہیں سنا......

قارئین محترم! پڑھنے والوں کی سہولت کے لئے پشاور کے جلسہ عام میں ولی خاں کی تقریر کی رپورٹنگ مختلف اخبارات نے جس جس انداز میں کی ہے،اس کا نمونہ پیش خدمت ہے۔

ولی خاں کی تقریر،اخبارات نے کیا چھاپا

سب سے پہلے انگریزی اخبارات دیکھیں،

''دی نیوز'' کراچی، راولپنڈی اور لاہور سے نکلتا ہے۔جنگ گروپ کا اخبار ہے۔

جنگ قیام پاکستان سے پہلے دہلی سے نکلا تھا، بعدازاں کراچی آیا۔ اس گروپ کو کسی بھی طرح ''پنجاب کا اخبار'' نہیں کہا جا سکتا۔ 16 فروری کو دی نیوز کی رپورٹ میں جو باچا خان کے جلسہ عام میں جناب ولی خان کی تقریر کے متعلق ہے، خبر کی سرخی یہ ہے:

"PUNJABIS IN NWFP ARE MOHAJIRS WALI"

خبر کے اندر اصل الفاظ یہ ہیں:

Wali said the people who came to the NWFP from Afghanistan are our brothers. Those who came from Punjab are Mohajirs."

اردو ترجمہ: ''ولی نے کہا کہ جو لوگ صوبہ سرحد میں افغانستان سے آئے، وہ ہمارے بھائی ہیں جبکہ جو لوگ پنجاب سے آئے وہ مہاجر ہیں''۔

لطف کی بات یہ ہے کہ کیسٹ میں یہ بات اس طرح سے نہیں، بلکہ اس طرح سے ہے کہ ضیاالحق سے میں نے کہا کہ مہاجر تو آپ ہیں کیونکہ آپ پنجاب سے آئے ہیں اور پشاور میں جائیداد کے مالک بن بیٹھے ہیں۔ ہوسکتا ہے ضیاالحق سے ڈائیلاگ کے بعد جس کا مطلب یہی نکلتا ہے، ولی خاں نے براہ راست یہ کہا ہو کہ پنجاب سے آنے والے مہاجر ہیں۔ بہرحال پہلے ڈائیلاگ کا مفہوم وہی ہے۔

انگریزی روزنامہ ''مسلم'' نے اپنی 16 فروری کی اشاعت میں اس جلسے کو رپورٹ کرتے ہوئے لکھا ہے:

He recalled the great conquereres like Alexander the Great, the British and Ranjit Singh could not subjogate the People of the region of their basic rights and identification. He pointed out that colonial Empire was better as compared to present rulers."

''ولی خاں نے یاد دلایا کہ عظیم فاتح مثلاً سکندر اعظم، انگریز اور رنجیت سنگھ بھی ہمارے علاقے کے لوگوں کو محکوم نہیں بنا سکے اور نہ ان کے بنیادی حقوق اور شناخت کو ختم کر سکے۔ انہوں نے نشاندہی کی کہ انگریز کی حکومت موجودہ حکمرانوں کے مقابلے میں بہتر تھی۔''

''مسلم'' کی رپورٹ میں سکندر اعظم، انگریزوں اور رنجیت سنگھ والا حصہ ایسا ہے جو ولی خان کے بارے میں اور کسی اخبار نے رپورٹ نہیں کیا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ جو کیسٹ ہمیں اے این پی کی طرف سے موصول ہوئی اور جس کا پشتو سے اردو ترجمہ ہم نے 25 فروری کو ''خبریں'' میں شائع کیا تھا، اس میں سرے سے سکندر اعظم، انگریز اور رنجیت سنگھ والی بات نہیں ہے۔ اور نہ ہی اس کیسٹ کے متن میں یہ جملہ شامل ہے کہ انگریز کی حکومت پاکستان کی موجودہ حکومت سے بہتر تھی۔ مطلب ظاہر ہے مسلم کی رپورٹنگ غلط ہے، یا پھر ہمیں بھیجی جانے والی کیسٹ میں سے یہ حصے حذف کر دیئے گئے ہیں۔

پاکستان میں انگریزی کے مؤقر اخبار ''ڈان'' نے اس سلسلے میں ولی خاں کی رپورٹنگ 16 فروری کے شمارے میں اس طرح کی تھی:

Wali Khan said the prime minister was trying to re-create One-Unit to establish the supremacy of a specific larger provnce. However, he held out a warning that "the ANP would e the first one to resist such a move as we did in the past when Z.A. Bhutto was the prime minister." He mentioned: "If they try to reimpose One-Unit, then we will say goodbye to them. We have good wishes for them; let them live there and we [Pakhtons] here."

Wali Khan also warned prime minister Nawaz Sharif that his party would not bow down before the government over the question of Pakhtoons' rights and reminede him that his party's 15 members had resigned from the provincial assembly in protest when the prime minister [former] Bhutto dislodged the Balochistan government. "Bhutto disclodged the Balochistan government. "The ANP which has a strength of over 30 members in the provincial assembly would not hesitate

to do so again if the centre tried to curb provincial automony", he remarked.

He said the ANP's stand over Pakhtoonkhawa was not just a matter of renaming the province rather it was a struggle for the rights of Pakhtoons and the well-being of their province. "Out forests, waters and all other provincial resources are in the control of other people," Wali Khan said, and invited nationalist forces of the Frontier province to "join hands with ANP in its struggle for the province's rights. About the Afghan refugees settled in the NWFP, he said they were not refugees, they were living in their own area because they were Pakhtoons.

"The British rulers drew Durand Line just to divide the Pakhtoon nation, it has no significance at all because the Pakhtoons are united," Wali Khan said, and added that "we did not recognise the Pakhtoon's division neither at that time, not do we accept it at present. The Pakhtoons living in Pakistan and Afghanistan are one and same nation, they cannot be divided".

اس خبر کا اردو ترجمہ ملاحظہ ہو:

''ولی خان نے کہا کہ وزیراعظم کوشش کر رہے ہیں کہ دوبارہ ون یونٹ بن جائے اور ایک بڑے صوبے کی بالادستی قائم ہو جائے۔ انہوں نے وارننگ دی کہ اے این پی سب سے پہلے اس قسم کے اقدام کی مخالفت کرے گی، جیسا کہ ہم نے ذوالفقار علی بھٹو کے دور میں کیا۔ اگر وہ (وزیراعظم نواز شریف) دوبارہ ون یونٹ مسلط کرنے کی کوشش کریں گے تو ہم ان کو خدا حافظ کہہ دیں گے۔ ہمارے پاس ان کے لئے نیک خواہشات ہیں۔ انہیں وہاں رہنے دیں اور ہم پختونوں کو یہاں۔''

''ولی خان نے وزیراعظم نواز شریف کو متنبہ کیا کہ ان کی پارٹی پختونوں کے حقوق کے مسئلے پر حکومت کے سامنے نہیں جھکے گی اور یاد دلایا کہ ہماری پارٹی کے 15 ممبران نے اس وقت صوبائی اسمبلی سے استعفیٰ دے دیا تھا، جب بھٹو صاحب نے بلوچستان حکومت توڑ دی تھی۔ انہوں نے کہا کہ اب اے این پی کی صوبے کی اسمبلی میں 30 سیٹیں ہیں اور اگر مرکز نے صوبائی خودمختاری کو ختم کرنے کی کوشش کی تو یہ سارے ارکان ایک بار پھر ماضی کی طرح استعفیٰ دینے سے ہرگز گریز نہیں کریں گے۔''

انہوں نے کہا کہ اے این پی کا پختونخوا پر مؤقف محض صوبے کو نیا نام دینے تک محدود نہیں ہے۔ یہ پختونوں کی جائز جدوجہد اور صوبے کی بہتری کے لئے کوشش کا نام ہے۔ ہمارے جنگل، ہمارے پانی اور دوسرے تمام وسائل دوسرے لوگوں کے قبضے میں ہیں۔''

''ولی خان نے صوبے کی تمام قوم پرست طاقتوں کو دعوت دی کہ وہ صوبے کے حقوق کی بازیابی کے لئے اے این پی کے ساتھ مل جائیں۔ سرحد میں بسنے والے افغان مہاجرین کے بارے میں ولی نے کہا کہ وہ مہاجر نہیں ہیں۔ وہ اپنی زمین پر رہتے ہیں کیونکہ وہ پختون ہیں۔''

''ولی خان نے کہا کہ برطانوی حاکموں نے ڈیورنڈ لائن قائم کی تا کہ پختون قوم کو تقسیم کیا جا سکے۔ لیکن اس ڈیورنڈ لائن (موجودہ پاکستان افغانستان بیرحد) کی کوئی حیثیت نہیں کیونکہ پختون متحد ہو چکے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے پختونوں کی تقسیمتسلیم نہیں کیا تھا اور نہ آج تسلیم کرتے ہیں۔ افغانستان اور پاکستان میں بسنے والے پختون ایک ہی قوم ہیں انہیں ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔''

☆☆☆☆

قارئین کرام! ڈان کی خبر میں جتنی باتیں ہیں، ان کا ''سراغ'' اے این پی کی بھیجی ہوئی کیسٹ کے اردو ترجمے میں نہیں ملتا۔ مثلاً:

ولی خان کا یہ الزام کہ نواز شریف دوبارہ ہم پر ون یونٹ مسلط کر رہے ہیں' اور یہ کہ ہم ان کو خدا حافظ کہہ دیں گے، انہیں وہاں رہنے دیں اور ہم پختونوں کو یہاں۔

مثلاً اگر مرکز نے صوبائی خودمختاری نافذ کرنے کی کوشش کی تو ہمارے ارکان صوبائی اسمبلی ایک بار پھر ماضی کی طرح اسمبلی سے استعفیٰ دینے سے ہرگز گریز نہیں کریں گے۔ (تادم تحریر

صرف وزرا کے استعفے آئے تھے ۔ یہ مرحلہ شاید باقی تھا)

مثلاً ڈیورنڈ لائن والی پوری بحث، اس کا ایک لفظ بھی اس کیسٹ میں نہیں ہے، جو اے این پی نے ہمیں بھیجی۔ حالانکہ ''ڈان'' نے انہیں "INVERTED COMAS" میں لکھا ہے، یعنی واضح کیا ہے کہ یہ رپورٹر کے نہیں، بلکہ ولی خاں کے اصل الفاظ ہیں۔

اس بحث کے آخر میں جو الفاظ ہیں وہ بھی ولی خان کے مستقبل کے عزائم کو ظاہر کرتے ہیں......مثلاً:

''سرحد میں بسنے والے افغان مہاجرین کے بارے میں ولی خان نے کہا کہ وہ مہاجر نہیں ہیں۔ وہ اپنی زمین پر بستے ہیں کیونکہ وہ پختون ہیں۔''

اور یہ کہ:

''انگریز نے ڈیورنڈ لائن (افغانستان اور پاکستان کی موجودہ سرحد) قائم کی، تاکہ پختونوں کو تقسیم کیا جاسکے، لیکن اب ڈیورنڈ لائن کی کوئی حیثیت نہیں کیونکہ افغانستان اور پاکستان میں بسنے والے پختون ایک قوم ہیں۔ انہیں ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔''

قارئین محترم! اگر آپ ان الفاظ پر غور کریں تو یہ پاکستان کے شمال میں افغانستان اور پاکستان کے پختون علاقے پر مشتمل ایک نئی ریاست کو قائم کرنے کے اعلان سے کم نہیں۔ اگرچہ سرحد کے عوام کی اکثریت اس کے حق میں نہیں، مگر اے این پی بڑی چالاکی سے مسلم لیگ کا ووٹ بینک لے کر صوبائی اسمبلی سے قرارداد، پختونخوا کے حق منظور کرا چکی ہے۔

اگر آپ امریکہ کے (افغانستان کے مستقبل اور وہاں لسانی ووٹوں کی بنیاد پر نئی ریاست کے قیام کے) فارمولے کو پیش نظر رکھیں اور گزشتہ دنوں امریکی سفارتکاروں کی اے این پی کے لیڈروں سے مسلسل ملاقاتوں کی خبروں کو بھی ذہن میں رکھیں، تو باباجی کس جلدی میں ہیں؟ اس کی وجہ سمجھ میں آجائے گی۔

ویسے پہلے روز ہی سلیم سیف اللہ اور انور سیف اللہ (دونوں حضرات جن کا شمار اے این پی کے سیاسی مخالفین میں ہوتا ہے) دفتر ''خبریں'' آئے تو انہوں نے بتایا کہ اے این پی کا مسلسل رابطہ امریکی سفارتخانے سے ان کے سپیکر سرحد اسمبلی چمکنی صاحب کے ذریعے رہتا ہے۔ جن کا ایک صاحبزادہ امریکی قونصل خانے میں بقول سیف اللہ برادران کے پچاس

ساٹھ ہزارروپے ماہوار پر کسی سینئر پوسٹ پر کام کررہا ہے۔

فرنٹیئر پوسٹ کی خبر کا ایک حصہ ملاحظہ ہو:

We have named the province as Pakhtunkhwa and nobody can change it. Punjabis have no right to guide us in naming our province.

We had not accepted the one unit in the past. Our workers had been sent behind bars and their properties cnfiscated. We still have the courage and STAMINA to bear such opposition but would not allow Punjabis to usurp our rights", Wali Khan vowed.

اردو ترجمہ یہ ہے کہ:

''ہم نے صوبے کا نام پختونخوا رکھ دیا ہے اور اب کوئی اس کا نام تبدیل نہیں کرسکتا۔ پنجاب کا کوئی حق نہیں ہے کہ وہ ہمارے صوبے کا نام رکھے۔''

قارئین! یہ پنجاب والی بات بھی کیسٹ میں نہیں، مگر فرنٹیئر پوسٹ پشاور کا مقامی اخبار ہے اور یقیناً یہ جملے بھی کیسٹ سے نکالے گئے ہیں۔

آگے چل کر فرنٹیئر پوسٹ لکھتا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے:

''ہم نے ماضی میں بھی ون یونٹ کو تسلیم نہیں کیا۔ ہمارے ورکر جیلوں میں بھیجے گئے اوان کی جائیدادیں ضبط کی گئیں۔ ہمارے اندر آج بھی اتنی جرأت اور حوصلہ ہے کہ اس قسم کی اپوزیشن کا مقابلہ کرسکتے ہیں لیکن ہم پنجاب کو اپنے حقوق غصب کرنے نہیں دیں گے۔''

جیلوں میں جانے اور پنجاب کی طرف سے حقوق غصب کرنے کے الفاظ بھی کیسٹ میں نہیں ہیں۔شاید ایڈٹ کردیئے گئے۔

جناب اجمل خٹک صاحب! آپ نے تو کہا تھا کہ ہم پنجاب سے لڑنا نہیں چاہتے، لیکن یہ سب کیا ہورہا ہے؟

اوراب اردو اخبارات کی رپورٹنگ دیکھیں:

''خبریں'' نے 16 فروری کو پشاور کے جلسہ عام کی رپورٹ کی خبر میں ''پنجابی مہاجر

ہیں'' والا حصہ یوں رپورٹ کیا:

''عوامی نیشنل پارٹی کے رہبر تحریک خان عبدالولی خاں نے اعلان کیا کہ پاکستان میں قیام پذیر افغان مہاجر نہیں ہیں انہیں مہاجر ہرگز نہ کہا جائے، یہ ہمارے بھائی ہیں اور اپنے وطن میں رہ رہے ہیں۔ میرے والد نے افغانستان میں قیام کیا تو کسی نے مہاجر نہیں کہا۔ میں نے جنرل ضیاالحق کو کہا تھا کہ افغانوں کو مہاجر نہ کہو، مہاجر تو تم ہو، جالندھر سے اس وطن (سرحد) میں آئے ہو، ہم تو انصار ہیں۔''

ون یونٹ والے مسئلے پر ''خبریں'' کی رپورٹ یہ ہے:

''اب تو مرکز میں بھی ون یونٹ ہے اور صوبے میں یونٹ ہے...... ون یونٹ نہ پہلے مانا تھا، نہ اب کسی کا باپ منوا سکتا ہے۔ رہ گئی بات صوبائی خودمختاری کی تو ہمارا کردار واضح ہے۔''

''جھگڑا پختونخوا کا نہیں بلکہ پختونوں کے حقوق کا ہے، جنگل ہمارے صوبے میں ہیں لیکن اختیار مرکز کا ہے۔ زمرد، جواہرات یہاں ہیں لیکن رقم وہاں جاتی ہے۔ اگر ہم اپنی بجلی ہی لے لیں تو سارا صوبہ مالدار ہو جائے۔''

آگے چل کر کہا:

''آج باچا خاں کی برسی کے لئے آئے تھے لیکن جلسہ پختونستان کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ باچا خان جو جنت میں ہوں گے، آج کے جلسے اور سرخ ٹوپیوں کی بھرمار سے ان کی روح خوش ہوگی۔''

''نوائے وقت'' نے جسے ولی خاں نے نام لے کر برا بھلا کہا ہے، اپنی 16 فروری کی اشاعت میں اس خبر کو اس طرح چھاپا ہے:

''انہوں نے کہا کہ پختون متحد ہیں، افغانستان سے آئے ہوئے مہاجر نہیں بلکہ ہمارے بھائی ہیں، ہم کسی ڈیورنڈ لائن کو نہیں مانتے۔''

دوسرے مسئلے پر نوائے وقت کی رپورٹنگ یہ ہے:

''بات صرف پختونخوا کی نہیں بلکہ صوبے کے حق کی ہے، صوبہ ہمارا ہے لیکن اس کے وسائل پانی، بجلی، معدنیات، جنگلات کی ساری آمدنی مرکز کے پاس ہے۔ ہم اگر اپنی بجلی ہر مرکز سے لے لیں تو یہ صوبہ سب سے امیر صوبہ ہوگا۔''

قارئین کرام! ڈیورنڈ لائن والی بات کیسٹ میں نہیں مگر ''ڈان'' اور دوسرے اخبارات میں بھی ہے۔ لہٰذا صاف لگتا ہے کہ ہمیں بھجوائی جانے والی کیسٹ میں سے اسے ''صاف'' کر دیا گیا ہے۔

اب ''جنگ'' کی رپورٹنگ ملاحظہ کریں۔ جنگ نے 16 فروری کو ولی خان کے جلسہ عام کی خبر میں ون یونٹ کے مسئلے کو زیادہ تفصیل سے دیا ہے۔ اصل الفاظ یہ ہیں:

''انہوں (ولی خان) نے کہا کہ اصل لڑائی صوبے کے نام کی نہیں بلکہ صوبے کے اختیارات کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس وقت ملک میں جو غیر علانیہ ون یونٹ قائم ہے وہ سابق ون یونٹ سے مختلف ہے۔ اس وقت صرف مرکز میں ون یونٹ تھا، آج صوبے بھی ون یونٹ میں ہیں۔'' واضح رہے کہ ''جنگ'' نے ''پنجابی صوبے میں مہاجر ہیں'' والے الفاظ رپورٹ نہیں کیے۔ تاہم غیر علانیہ ون یونٹ والی بات بھی کیسٹ میں نہیں ہے۔ گویا اس میں سے کاٹ دی گئی ہے۔

''پاکستان'' اخبار نے اس جلسے کی رپورٹنگ میں یہ الفاظ استعمال کئے ہیں:

''انہوں (ولی خان) نے کہا کہ ہمارے صوبے کی تمام آمدن مرکز کے پاس چلی جاتی ہے اور اگر ہم نے حقوق حاصل کر لئے تو تمام صوبوں میں ہمارا صوبہ سب سے زیادہ ترقی یافتہ ہوگا۔''

''دن'' نے جلسے کی رپورٹ این این آئی اور کے پی آئی دو ایجنسیوں کے حوالے سے دی ہے، اور لگتا ہے کہ ان کا کوئی رپورٹر بذات خود جلسے میں موجود نہیں تھا۔ دن نے پنجابی مہاجر ہیں کے مسئلے پر صرف یہ جملہ چھاپا ہے کہ:

افغانستان کا ذکر کرتے ہوئے ولی خان نے کہا کہ یہاں یہ مقیم افغانی مہاجر نہیں ہمارے مسلمان بھائی ہیں۔''

صوبے کے حقوق کے بارے میں ''دن'' کی رپورٹنگ اس طرح ہے:

''جنگلات، زمرد اور دوسری معدنیات اور بجلی پر مرکز کا قبضہ ہے، اگر ہم صرف بجلی لیں تو تمام صوبوں میں ہمارا صوبہ مالدار ہوگا۔''

زمرد کی کانیں یا دوسری معدنیات والی بات بھی کیسٹ میں نہیں ہے، جبکہ یہ بات بھی

کم وبیش تمام اخباروں میں ''ہمارا پانی'' ہماری بجلی والے الفاظ کے ساتھ'' ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ کیسٹ میں سے یہ بات بھی نکال دی گی ہے لیکن ایک نہیں دونوں نیوز ایجنسیوں یعنی این این آئی اور کے پی آئی نے دی ہے۔

روزنامہ ''مشرق'' پشاور نے کم وبیش وہی الفاظ دہرائے ہیں، جو دوسرے اخبارات میں ہیں ''مشرق'' لکھتا ہے:

''ولی خان نے کہا کہ اس صوبے کی دولت اور وسائل سے اغیار فائدہ اٹھا رہے ہیں اور اگر ہم صرف صوبے کے پانی سے پیدا ہونے والی بجلی حاصل کرلیں تو ہمارا صوبہ سب سے مالدار صوبہ بن سکتا ہے۔لہٰذا جب تک تمام قوم پرست جماعتیں مل کر حکومت نہیں بناتیں، ہمارے صوبے کی محرومیاں ختم نہیں ہوں گی۔''

شاید پشتو تقریر کا ترجمہ کرتے ہوئے دوسرے کے بجائے اغیار کا لفظ شامل کیا گیا۔ پنجاب اور سندھ کے عوام کی طرف سے پانی اور بجلی استعمال کرنے کو ولی خاں ''اغیار کے قبضے'' کا نام دے رہے ہیں۔

روزنامہ ''جہاد'' کی رپورٹنگ میں ایک جملہ زیادہ ہے ملاحظہ کریں:

''ولی خان نے کہا ہمارے گریباں سے ہاتھ ہٹالیں، ورنہ ان کا نام بھی باقی نہیں رہے گا۔''

آگے چل کر ''جہاد'' لکھتا ہے:

''انہوں نے کہا کہ جب ضیاالحق نے افغانستان سے آئے ہوئے لوگوں کو مہاجر کہا تو میں نے کہا کہ پنجاب سے آئے ہوئے مہاجر ہو اور یہاں جائیداد پر قبضہ کیا۔افغانستان سے آئے ہوئے ہمارے بھائی ہیں، مہاجر نہیں۔''

یہ صوبائی حقوق کا مطالبہ ہے یا اعلان بغاوت؟

ہماری گزارشات کا خلاصہ یہ ہے کہ:

1-اے این پی کے دوستوں نے جو کیسٹ ہمیں بھجوائی وہ نامکمل ہے۔

2-جناب اجمل خٹک صاحب کی طرف سے 5 عدد قسمیں کھانے کے باوجود یہ ثابت ہو

گیا ہے کہ جناب ولی خاں نے یہ کہا کہ افغانستان سے آنے والے پختون ہمارے ہاں مہاجر نہیں اوران کی اپنی زمین ہے اور پنجابی مہاجر ہیں۔

3- جناب ولی خان صاحب نے پانی، بجلی، جنگلات، زمرد کی کانوں وغیرہ کے بارے میں کہا کہ یہ صوبے کی ملکیت ہونی چاہیے تا کہ ہمارا صوبہ مالدار ہو سکے۔

جناب ولی خان نے کہا کہ ہم ڈیورنڈ لائن (یعنی پاکستان اور افغانستان کی سرحد) کو نہیں مانتے۔ دونوں طرف کے پختون ایک ہیں، انہیں الگ کرنے کی کوشش کامیاب نہیں ہونے دیں گے۔ انہوں نے صوبے کی تمام قوم پرست طاقتوں کو ایک ہو کر صوبے میں حکومت بنانے کی تجویز دی تا کہ پختونوں کے مسائل حل ہو سکیں۔

اے این پی کے ''رہبر اعلیٰ'' نے موجودہ حکومت کو ون یونٹ قرار دیا، صوبائی اسمبلی سے ارکان کے مستعفی ہونے کی دھمکی دی، مرکز کو خدا حافظ کہتے ہوئے کہا کہ وہ وہاں خوش رہیں، ہم یہاں خوش ہیں۔

جناب اجمل خٹک صاحب، ہمیں اصل کیسٹ نہ بھیجیں تو بھی مختلف اخبارات کی خبروں نے جن میں پنجاب ہی کے نہیں، کراچی اور سرحد کے اخبارات بھی شامل ہیں، آپ کی بھیجی ہوئی کیسٹ خواہ یہ نامکمل ہی کیوں نہ ہو، ایڈٹ شدہ ہی کیوں نہ ہو، یہ ثابت نہیں کر دیا کہ بات صوبے کے نام سے آگے نکل کر پختون قوم کے لئے آئین 1973ء سے کہیں آگے...... فیڈریشن کے بجائے کنفیڈریشن کے مطالبے تک پہنچ چکی ہے اور ڈیورنڈ لائن کے دونوں طرف کے پختونوں کو متحد کر کے اپنی زمین دینے اور پنجابی کو مہاجر قرار دے کر واپس جانے کی تجویز پیش کر دی گئی ہے۔ ہماری نظر میں تو 16 فروری کے جلسہ عام میں جناب ولی خان کی تقریر کو بین السطور پڑھا جائے تو یہ اعلان آزادی بلکہ اعلان بغاوت کی طرف پہلا قدم ہے۔

پاکستان کا آئین کیا کہتا ہے؟

قارئین کرام! گوجرانوالہ کا رہنے والا شیدا پنجابی یہ دعویٰ کردے کہ وہ پاکستان اور ہندوستان کے مابین واہگہ بارڈر کونہیں مانتا' اور پنجابی چونکہ دونوں طرف آباد ہیں' لہٰذا وہ ''گریٹر پنجاب'' کے نام سے پنجابی قوم کے حقوق کے لئے جنگ لڑنا چاہتا ہے۔ شیدا یہ بھی دعویٰ کرے کہ پنجاب میں مشرقی یعنی بھارتی پنجاب سے آکر کوئی آباد ہونا چاہے یا ہو جائے تو یہ اس کی اپنی زمین ہے لیکن پنجاب میں باہر سے آنے والے مثلاً پٹھان' سندھی' بلوچ یا اردو بولنے والے لوگ جو وسط ہند سے آئے' وہ سب کے سب پنجاب میں مہاجر ہیں۔ ان پر صرف پنجابیوں کا حق ہے اور پنجاب کے جو دواڑھائی دریا باقی بچے ہیں' ان کا پانی اگر سندھ تک نہ پہنچنے دیا جائے بلکہ پنجاب ہی میں روکا جائے تو پنجاب سب سے امیر صوبہ بن سکتا ہے۔

فرض کیجئے کہ کالاباغ ڈیم بن چکا ہے اور یہ پنجاب کی زمین پر ہے۔ اگرچہ اس ڈیم کی تعمیر میں وفاقی حکومت نے سرمایہ فراہم کیا یا اس کے لئے جو قرضہ لیا گیا' اس کو گوادر سے خیبر تک چاروں صوبوں کے لوگ مزید بیس پچیس سال میں لوٹائیں گے لیکن چونکہ یہ پنجاب کی زمین پر واقع ہے لہٰذا شیدا کہے کہ:

''اس کی بجلی ہماری ہے'' اور

''اگر ہم اس بجلی پر قبضہ کرلیں تو پاکستان کا سب سے امیر صوبہ بن سکتے ہیں۔''

''پنجاب کی گندم ہماری گندم ہے اور ہم اسے کسی صوبے کو فراہم کرنے کے پابند نہیں ہوں گے' خواہ ان کی فلور ملیں بند پڑی رہیں۔ ہماری مرضی' جسے جی چاہے گا' فروخت کریں گے۔''

''زمین کے نیچے معدنیات ہماری ہیں۔کل سے ہم کھیوڑہ کا نمک کسی دوسرے صوبے میں نہیں جانے دیں گے بلکہ دیکھیں گے کہ ہمیں کہاں سے اس کے زیادہ دام ملتے ہیں۔''

شیدا کہے''ہم نے اپنے صوبے کا نام پنجابستان یا پنجاب خوار کھ لیا ہے اور ہم ہر کسی کو کہتے ہیں کہ ہم اپنی روزی کسی کو معاف نہیں کریں گے اور نہ اس بات کو مانیں گے کہ زکوۃ مرکز کی اور عشر مرکز کا ہو''

اور

''چونکہ پنجاب اسمبلی نے کالاباغ ڈیم بنانے کی قرارداد منظور کرلی ہوئی ہے۔اس لئے کسی کا باپ بھی اسے تبدیل نہیں کرسکتا۔

اب جھگڑا اس بات کا ہے کہ جس پنجاب اسمبلی نے کالاباغ ڈیم کی قرارداد منظور کی اس کو یہ اختیار حاصل ہے کہ نہیں ہے۔

جھگڑا اس بات کا ہے کہ اب آپ خود غور کریں کہ ون یونٹ میں ہمارے ساتھ بنگالی ساتھی بھی تھے' وہ ممبر تھے' انہوں نے آزادی مانگی اور آزاد ہو گئے۔

شیدا کہے کہ ''ہم بات صاف ستھری کرتے ہیں اور میدان میں کرتے ہیں کہ ہم پنجاب اسمبلی کا اختیار کسی کو نہیں دیتے اور مسئلہ پنجابستان یا پنجاب خوا کا نہیں ہے بلکہ پنجابیوں کا ہے' ان کے حقوق کے لئے ہم اٹھ کھڑے ہوئے ہیں' جو واہگہ کے دونوں طرف آباد ہیں۔

شیدا کہے ہم فرنگیوں کی تقسیم کو شروع سے نہیں مانتے' ہر کسی کو اختیار ہے کہ وہ جس طرح چاہے کرے۔

ہم تو جمہوریت پر یقین رکھتے ہیں اور جو بات پنجابی بچوں کے حق کی ہے' ہم کسی بھی قیمت پر اس سے دستبردار نہیں ہوسکتے۔

شیدا پنجابی جذبات میں تقریر کرے کہ آج ہم جس طرف دیکھتے ہیں' پگڑیاں ہی پگڑیاں ہیں اور بڑے بڑے سفید تہمد نظر آرہے ہیں' میں آپ لوگوں کی سفید پگڑیوں کو سلام پیش کرتا ہوں اور محسوس کرتا ہوں کہ رنجیب سنگھ جب آسمان سے نیچے دیکھیں گے تو آج اپنی قوم سے بہت خوش ہوں گے کہ وہ اتنی بڑی تعداد میں رنجیت سنگھ کے جنم دن پر جمع ہوگئی ہے اور وہی بہادر

پنجاب جو رنجیت سنگھ کے ساتھ پنجابستان کے قیام کے لئے اٹھے تھے، آج اسی مقصد کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔

شیدا کہے کہ ہم دعوے سے کہہ سکتے ہیں کہ آج پنجابی قوم ایک نعرے سے اکٹھی ہوئی ہے، پنجابستان یا پنجاب خوا کی قرارداد رنجیت سنگھ کے مقصد کی طرف اولین قدم ہے۔ پنجابستان بن چکا ہے، اب یہ صوبے کا نام ہے، کسی کا باپ بھی اسے تبدیل نہیں کر سکتا۔

شیدا دعویٰ کرے کہ جناب نام کی قرارداد کو پنجاب اسمبلی نے پاس کیا۔ اب جھگڑا صوبے کو اختیارات کا ہے۔ اور جناب یہ عجیب سا ملک ہے، ایک چھ فٹ تین انچ کا بوڑھا پختون اٹھا ہے اور ہمارے گلے پر چھلانگ لگا کر گریبان پکڑنے کی کوشش کر رہا ہے اور کہتا ہے کہ توڑ دو پنجاب اسمبلی کو، جس نے پنجابستان کی قرارداد منظور کی۔ حالانکہ پنجاب اسمبلی نے جو فیصلہ دیا، وہی موجود ہے اور جو لوگ یہ کوشش کرتے ہیں کہ ہمارے اور سرحد پار کے پنجابی بھائیوں کے درمیان اختلافات پیدا کریں، وہ کبھی کامیاب نہیں ہوں گے کیونکہ ادھر کے پنجابی ہمارے بھائی ہیں اور ہم پنجابی بچوں کے حقوق بیچ نہیں سکتے۔ ہم اس کی پروا نہیں کرتے کہ کوئی اس سے خوش ہوتا ہے یا خفا۔ شیدا اعلان کرے کہ "ہم باقی پنجابیوں سے بھی یہی کہتے ہیں کہ کچھ تو غیرت کریں، اٹھیں اور ایک آواز ہو جائیں کیونکہ پنجابستان کے حقوق کے لئے ایک ساتھ مل کر لڑنا ہے وہ دعویٰ کرے کہ جناب! جھگڑا پنجابستان کے نام کا نہیں، پنجابی قوم کے حقوق کا ہے اور یہ جو سفید پگڑیاں نظر آ رہی ہیں، یہ آپ کے گلے کی پھانسیاں بن جائیں گی اور یہ جو کالے بھونڈ نظر آ رہے ہیں، یہ آپ کی دونوں آنکھوں کو نکال دیں گے اور اگر یہ بھونڈ آپ کی شلواروں میں گھس گئے تو پھر آپ کو شرم کا سامنا کرنا ہوگا کیونکہ ہم رنجیت سنگھ کی آخری خواہش پوری کر کے رہیں گے کیونکہ ہم تو اپنے ملک میں دوسرے لوگوں کے ہاتھ میں محکوم ہو چکے ہیں۔"

☆......☆......☆

قارئین کرام! یقیناً یہ ایک مفروضہ ہے کہ پنجاب اسمبلی نے نہ تو پنجابستان یا پنجاب خوا کی قرارداد منظور کی ہے، نہ گوجرانوالہ سے لاہور آ کر کسی شیدے پنجابی نے تقریر کی ہے کہ میں واہگہ بارڈر کو نہیں مانتا، نہ کسی نے واہگہ پار بسنے والے پنجابیوں کو ہمارے پنجاب کی زمین کا مالک بنایا ہے، نہ کسی نے پنجاب کے پانی پر دوسرے صوبوں کا حق تسلیم کرنے سے انکار کیا ہے۔

اور کالا باغ ڈیم بن بھی گیا تو پنجاب سے کوئی یہ دعویٰ نہیں کرے گا کہ ڈیم ہماری زمین میں ہے، اس لئے بجلی ہماری ہے، یہ ہمیں دے دو تا کہ ہم امیر ترین صوبہ بن جائیں۔

نہ کسی نے یہ مطالبہ کیا ہے کہ ہم اپنی گندم سرحد کو کیوں بھیجیں، نہ کسی نے یہ شوشہ چھوڑا ہے کہ جو تھوڑا بہت تیل پنجاب کے علاقے بالکسر سے نکلا ہے، وہ مرکزی حکومت کیوں لے جاتی ہے، نہ کسی نے پٹھانوں، بلوچوں، سندھیوں اور وسطی ہندوستان کے اردو بولنے والوں کو مہاجر قرار دے کر صوبے سے نکالنے اور سرحد پار رہنے والے بھارتی پنجاب کے پنجابیوں کو اپنے لوگ بتا کر پنجابستان یا پنجاب خوا کے نام سے نیا صوبہ بلکہ آئین 73ء کی حدود سے کہیں آگے جا کے نیا ملک، نئی زمین بنانے کی بات کی ہے۔

نہ کسی پنجابی نے آئین 73ء میں طے شدہ امور سے بڑھ کر صوبہ کے لئے جنگل، معدنیات، پانی، بجلی، گندم، نمک وغیرہ پر قبضہ کرنے کی دھمکی دی ہے۔

بے چاری پنجاب اسمبلی نے واقعتاً کالا باغ ڈیم بنانے کے لئے قرارداد منظور کی تھی، لیکن پورے پنجاب میں کسی نے یہ نہیں کہا کہ چونکہ ہمارے صوبے کی اسمبلی نے یہ قرارداد منظور کر لی ہے، لہٰذا ہمیں دیکھنا ہے کہ صوبہ کا کوئی اختیار ہے یا نہیں اور اگر دوسرے لوگ اسے مانتے ہیں تو ٹھیک ہے، ورنہ ہمارا یہ راستہ اور تمہارا وہ راستہ۔

پنجاب سے کسی نے سفید پگڑیوں، کالے بھونڈوں کی بات نہیں کی۔ کسی نے طے شدہ ملکی سرحد کے دونوں اطراف پنجابی بولنے والوں کو ملانے کا منصوبہ پیش نہیں کیا۔ کسی کو رنجیت سنگھ کا خواب نظر نہیں آیا۔ کسی نے نہیں کہا کہ صوبہ تو ہمارا ہے، لیکن خزانے مرکز کے اثاثے ہیں کسی نے دعویٰ نہیں کیا کہ بات پنجابی بچوں کے حقوق کی ہے نہ کہ پنجابستان کی۔

کسی نے نہیں کہا کہ رہا واہگہ بارڈر' تو ہم فرنگیوں کی تقسیم کو شروع سے نہیں مانتے۔ کسی نے مرکز سے نہیں پوچھا کہ پنجاب کی منظور شدہ قرارداد کا کیا بنا؟ اور اگر نہیں مانتے تو ہمارا یہ راستہ اور تمہارا وہ راستہ۔ کسی نے رنجیت سنگھ کے حوالے سے بھارتی اور پاکستانی پنجاب کے رہنے والوں کو خوشخبریاں نہیں سنائیں کہ آج رنجیت سنگھ کا خواب پورا ہو گیا ہے۔

قارئین محترم! اور اگر کوئی بدبخت ایسا کرتا تو اس پر آئین شکنی' قانون شکنی' بین الاقوامی سرحدوں کو تسلیم نہ کرنے' رنجیت سنگھ کا خواب پورا کرنے' صوبائی اسمبلی کی منظور شدہ قرارداد کو پورے ملک پر مسلط کرنے اور آئین پاکستان کے سراسر خلاف مرکز اور صوبوں کے مابین طے شدہ امور کو چھیڑنے اور آئین سے انحراف کرنے کے الزام میں مقدمہ چلایا جاتا۔ لوگ شیدا پنجابی کے گھر پر حملہ کر دیتے' پولیس اسے اٹھا کر لاہور کے قریب چوہنگ ٹارچر سنٹر میں لے جاتی اور کسی عدالت میں پیش ہونے سے بہت پہلے اس کی ''لتر پریڈ'' مکمل ہو چکی ہوتی بھونڈ اس کی شلوار میں چھوڑ دیئے جاتے' مار مار کر اس کا بھرکس نکال دیا جاتا کہ بتا تو کس کا ایجنٹ ہے اور ملک توڑنے کی کوشش کرنے والے شیدے پر الزام لگتا کہ بھارتی پنجاب اور پاکستانی پنجاب کے پنجابیوں کو ایک کرنے والے شیدے پر الزام لگتا کہ بھارتی پنجاب اور پاکستانی پنجاب کے پنجابیوں کو ایک کرنے کی بات کہنے والا ''گریٹر پنجاب'' ''پنجابستان'' یا ''پنجاب خوا'' کا نعرہ لگانے والا اور واہگہ بارڈر کو انگریز کی سازش قرار دیتے ہوئے اسے تسلیم نہ کرنے والا کسی صورت آئین کے انحراف کے جرم سے بچ نہ سکتا۔

لیکن پیارے پڑھنے والے! اس سلسلہ مضامین کا پچھلا باب کھولیں' جس میں ہم نے اے این پی کی سپلائی کردہ ولی خان کی پشتو تقریر پر مشتمل کیسٹ کا اردو ترجمہ چھاپا ہے۔

یہی ساری باتیں ولی خان صاحب نے کی ہیں' لیکن ان کا تعلق گوجرانولہ سے نہیں وہ ''شیدا پنجابی'' نہیں ہیں۔

انہوں نے جس بارڈر کو تسلیم نہیں کیا' وہ واہگہ بارڈر نہیں' ڈیورنڈ لائن ہے۔

انہوں نے پنجابستان یا پنجاب خوا کے بجائے پختونستان کی بات کی ہے۔

انہوں نے جس صوبے کی زمین کے اوپر اور زمین کے نیچے مرکز کے بجائے اپنا حق جتایا ہے' وہ پنجاب کی نہیں' سرحد سے تعلق رکھتی ہے۔

انہوں نے جن لوگوں کو اپنے صوبے کی زمین کا مالک بتایا' وہ واہگہ کے دوسری طرف سے نہیں' پاک افغان سرحد کے دوسری طرف سے آئے تھے۔

انہوں نے سفید پگڑیوں کی نہیں سرخ ٹوپیوں کی بات کی تھی۔

کالے نہیں سرخ بھونڈوں کا ذکر کیا تھا۔

نمک کی کانوں اور گندم کے کھیتوں کا نہیں' زمرد کی کانوں اور جنگلات کا نام لیا تھا۔

سرحد اسمبلی کی قرارداد پختونخوا کے لئے تھی' پنجاب اسمبلی کی طرح کالاباغ ڈیم کے لئے نہیں تھی۔

انہوں نے گریٹر پنجاب' پنجابستان کا نہیں' پختون قوم' پختونستان اور پختون خوا کا نام لیا تھا۔

بہت فرق ہے' جناب! گوجرانوالہ اور چارسدہ میں بہت فرق ہے۔

واہگہ بارڈر اور ڈیورنڈ لائن ایک جیسی سرحدیں تو نہیں۔

کہاں شیدا پنجابی گوجرانوالے کا' اور کہاں ولی خان چارسدہ والا کہاں بیچاری پنجاب اسمبلی کی متفقہ قرارداد' اور کہاں سرحد اسمبلی کی اکثریتی قرارداد' جس میں مسلم لیگی ارکان گھگھو بن کر بیٹھے رہے۔

حق میں بولے نہ مخالفت میں۔

کہاں سرحدی گاندھی غفار خان اور کہاں کانا راجہ رنجیت سنگھ۔

بہت فرق ہے' جناب بہت فرق ہے۔

شیدا پنجابی یہ کام کرتا تو پنجاب پولیس نے الٹا لٹکایا ہوتا۔

ولی خاں چارسدیے نے یہی کچھ کیا' تو پاکستان کا وزیراعظم یہ کہہ رہا ہے کہ میں ولی خان کی عزت کرتا ہوں اور ہمیں توقع ہے کہ اے این پی شاید پھر ہم سے آملے بہت فرق ہے جناب! بہت فرق ہے۔

☆......☆

چلتے چلتے رہبر تحریک اے این پی جناب ولی خان صاحب سے چند سوال حاضر خدمت ہیں۔ ہم کوئی سابق جسٹس تو ہیں نہیں کہ فوراً جواب سے نوازے جائیں' تاہم سوال ان کے ذمے ہیں' کوئی جواب بن پڑے تو ضرور عطا فرما دیں۔

1۔ ولی خان صاحب 1973ء کا آئین جس پر آپ نے دستخط کئے' اس کے متعلق 11 اپریل 1973ء کو پاکستان کی دو نیوز ایجنسیوں اے پی پی اور پی پی آئی نے آپ کا ایک بیان شائع کیا تھا' اس بیان کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔ عنوان ہے:

''تیسری خواندگی کے موقع پر ولی خاں کی پریس کانفرنس۔''

اور متن سے ایک اقتباس یہ ہے:

''خان عبدالولی خان نے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ ہم نے آئین کی حمایت کی ہے۔ ان سے جب زور دے کر پوچھا گیا کہ وہ پورے آئین 1973ء سے متفق ہیں تو انہوں نے کہا کہ ''بابا آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہم نے تمام ترمیم شدہ دفعات اور پورے آئین کے حق میں ووٹ دیا ہے۔''

اور اب ولی خان صاحب آئین کا آرٹیکل نمبر 1 یعنی جمہوریہ اور اس کے علاقہ جات کے الفاظ ملاحظہ کریں:

آئین کا آرٹیکل 1۔ دفعہ (2) شق (الف)

پاکستان کے علاقے مندرجہ ذیل پر مشتمل ہوں گے۔:

''صوبہ جات بلوچستان' شمال مغربی سرحد' پنجاب' سندھ۔''

جناب ولی خان صاحب! جس آئین پر آپ نے دستخط کئے اور جس کی تیسری خواندگی کے موقع پر پریس کانفرنس کرتے ہوئے آپ نے کہا کہ ہم نے تمام دفعات اور پورے آئین کے حق میں ووٹ دیا ہے کیا آپ نے 1973ء میں جبکہ بھٹو صاحب آپ کے ساتھ سہ فریقی معاہدے پر مجبور تھے۔

جب ابتداء میں بھٹو صاحب نے سرحد اور بلوچستان میں نیپ اور جمعیت کی مخلوط حکومتیں تک منظور کر لی تھیں۔

اور گورنر بھی آپ کے بنا دیئے تھے۔

تو آپ نے شمال مغربی سرحدی صوبہ کا نام بدلنے کی بات کیوں نہ کی۔

کیا 1947ء سے بھی پہلے خان عبدالغفار خان کا دیا ہوا نام پختونستان یا پختونخوا، جس کے لئے آپ 1998ء میں حکومت سے الگ ہونے اور مسلم لیگ سے اتحاد توڑنے کے علاوہ اسمبلیوں سے استعفیٰ دینے اور ''ہمارا یہ راستہ اور تمہارا وہ راستہ'' کہنے پر تیار ہو گئے ہیں، اس وقت آپ کے ذہن میں کیوں نہیں آیا؟

اور ایسی کوئی قرارداد آپ نے نیپ اور جمعیت کی سرحد میں مخلوط حکومت کی صوبائی اسمبلی سے کیوں منظور نہیں کروائی؟

آئین کے مطابق صوبہ سرحد ہو یا کوئی دوسرا صوبہ، پاکستان کی بین الاقوامی سرحدوں کی حفاظت اور احترام لازم ہے۔ جناب ولی خان صاحب! آپ کو پختون قوم کے لئے زمین اور ڈیورنڈ لائن کے دونوں طرف کے پختونوں کو ملانے اور پختونوں کے حقوق کا جھنڈا بلند کرنے کا خیال اس وقت کیوں نہیں آیا جب غفار خان صاحب زندہ بھی تھے، بلکہ بقول آپ کے جنت میں نہیں تھے، اور وہ دنیا میں آپ کے پاس موجود تھے اور آپ کی رہنمائی کر سکتے تھے۔

بابا کا یہ ارمان آپ نے ان کی زندگی میں پورا نہ کیا۔

اور اب ایسی کونسی اچانک ضرورت سامنے آ گئی ہے کہ باچا خان کی زندگی کا مقصد پورا ہونے کا وقت ابھی ابھی آیا ہے۔

لگے ہاتھوں یہ بھی بتا دیجئے کہ آئین 73ء جس کو تیسری خواندگی کے موقع پر بھی آپ نے ایک ایک لفظ پڑھ کر اور سن کر تسلیم کیا تھا، اس کے کس صفحے اور کس آرٹیکل میں یہ بات موجود ہے کہ کوئی صوبائی اسمبلی اکثریتی قرارداد کے ذریعے آئین میں موجود صوبے کا نام تبدیل کر سکتی ہے یا کسی ملک سے متصل پاکستانی سرحد کو تبدیل کر سکتی ہے یا اسے نہ ماننے کا اعلان کر سکتی ہے۔

2۔ ولی خان صاحب سے ہمارا دوسرا سوال یہ ہے کہ جس آئین 73ء پر آپ متفق تھے اگر آپ اس میں تبدیلی کرنا چاہتے ہیں تو آئین ہی کے آرٹیکل 238 کے مطابق اس میں تبدیلی کا طریق کار یہ ہے کہ:

قومی اسمبلی اور سینٹ، دونوں اسے دوتہائی اکثریت سے منظور کریں۔
صوبے کا نام بدلنا ہو یا کوئی اور تبدیلی مقصود ہو۔صوبائی اسمبلی کی کسی قرارداد کی کوئی آئینی حیثیت نہیں ہے۔
اس کے باوجود آپ یہ کیوں کہتے ہیں کہ اگر صوبائی اسمبلی کی قرارداد نہ مانی گئی تو ''ہمارا یہ راستہ اور تمہارا وہ راستہ۔'' یہ آپنے آئین 73 کی نئی تشریح کون سی تحقیق سے کی ہے؟ امریکی سفارت کاروں سے ملاقات سے پہلے یا ملاقات کے بعد۔
3۔ ولی خان صاحب! ہمارا تیسرا اور آخری سوال یہ ہے کہ آئین کے باب ششم میں آرٹیکل 160 سے وفاق اور صوبوں کے مابین محصولات اور دیگر امور کی تشریح شروع ہوتی ہے۔
اس کے مطابق جو امور مرکز کے طے شدہ ہیں، ان میں صوبہ دخل نہیں دے سکتا اور جو صوبے کے طے شدہ ہیں، اس میں مرکز دخل نہیں دے سکتا۔ کیا آپ بتائیں گے کہ آئین کے کس آرٹیکل کے تحت بجلی کی پیداوار یعنی جنریشن، صوبوں کی ملکیت بنتی ہے۔
ہاں تقسیم کا نظام ضرور صوبہ لے سکتا ہے۔
اور کس قاعدے اور قانون کے تحت وفاقی حکومت کے زیر اہتمام چاروں صوبوں سے آنے والے ٹیکسوں کے لوکل فنڈز اور بیرونی قرضہ جات سے بنا ہوا کوئی ڈیم اپنے پانی اور بجلی سمیت کسی ایک صوبے کی ملکیت صرف اس لئے ہوسکتا ہے کہ وہ اس صوبے کی زمین پر قائم ہے۔
اگر صوبے اسی طرح اپنی اپنی زمین پر موجود وفاق کے زیر اہتمام کسی بھی قومی پراجیکٹ پر قبضہ کرنا چاہیں تو کیا کوئی ملک جو وفاق کی شکل میں موجود ہو، وہ برقرار رہ سکتا ہے؟
اور اگر نہیں تو یہ ملک توڑنے کا درجہ بہ درجہ پروگرام کس کے مشورے سے شروع ہوا ہے؟
اور سب سے آخری سوال یہ ہے کہ جناب ولی خان صاحب!
پاکستان کی جغرافیائی حدود میں تبدیلی تو کسی آئینی ترمیم کے ذریعے بھی نہیں کی جاسکتی۔
یہ آپ ڈیورنڈ لائن کے دونوں اطراف میں بسنے والے پختونوں کو صوبائی خودمختاری کے نام پر بجلی، پانی، جنگل، زمرد کی کانیں اور دیگر وسائل کے علاوہ پختونستان یا پختونخوا کا نام کیوں

دلوانا چاہتے ہیں جس سے خود صوبہ سرحد کے بے شمار لوگ اور اضلاع متفق نہیں۔
ملک کو تو چھوڑیں، بین الاقوامی قانون یہ ہے کہ کسی دریا کے زیریں حصے میں بسنے والے لوگوں سے اس پانی کے استعمال کا حق نہیں چھینا جا سکتا۔
لیکن آپ اپنی تقریر میں کہتے ہیں کہ پانی ہمارا جب کہ اس کا اختیار کسی اور کے پاس ہے اور یہ کہ ہم نے ہمیشہ دریائے سندھ کے پانی کی بات کی ہے اور اس کا اختیار کسی کو نہیں دینا چاہتے۔
ولی خان صاحب! کیا واقعی آپ نے پاکستان کے آئین سے اعلان بغاوت کر دیا ہے اور کیا آپ پاکستان کے آئین کے آرٹیکل 6 کو نہیں توڑ رہے، جس کے الفاظ یہ ہیں کہ "کوئی شخص جو طاقت کے استعمال یا طاقت سے یا دیگر غیر آئینی ذریعے سے دستور کی تنسیخ کرنے کی سازش کرے، سنگین غداری کا مرتکب ہوگا۔"
اور ایسی غداری کی سزا 26 دسمبر 1973ء کو پارلیمنٹ کے منظور شدہ قانون کی صدر پاکستان سے توثیق کے بعد صرف اور صرف سزائے موت ہے۔
ولی خان صاحب آئین میں تبدیلی کرنا چاہتے ہیں، تو اس کے لئے آئین میں تبدیلی کا طے شدہ راستہ اختیار کریں۔
اور نہیں کر سکتے تو صبر کریں اور صبر بھی نہیں کر سکتے تو لندن جا کر کوئی نئی ریسرچ کریں یہاں رہ کر شیخ مجیب الرحمٰن بننے کی سازش اب کوئی پاکستانی برداشت نہیں کریگا۔
اور صدر مملکت جسٹس محمد رفیق تارڑ صاحب!
وزیر اعظم محمد نواز شریف صاحب!
چیف جسٹس سپریم کورٹ جناب اجمل میاں صاحب!
اور چیف آف آرمی سٹاف جناب جنرل جہانگیر کرامت صاحب!
ولی خان صاحب کی تقریر کے کیسٹ کو پاکستان کے آئین سے ملا کر پڑھ لیں۔
آئین بنیادی دستاویز ہے، جسے صرف توڑنے والا ہی نہیں، توڑنے کے افعال میں مدد یا معاونت کرنے والا بھی سزائے موت کا مستحق ہوتا ہے اور جب آپ اپنے سامنے کسی کو آئین کو توڑنے، وفاقی حکومت کو چیلنج کرنے، پاکستان کی تسلیم شدہ بین الاقوامی سرحدوں کے

باہر سے زبان کے نام پر لوگوں کو بلانے اور لسانی یا نسلی بنیادوں پر ریاست کے اندر ریاست بنانے کا اعلان کرنے والوں کیخلاف کوئی کارروائی نہیں کریں گے تو آئین کی روشنی میں بھی اور خدا کے ہاں بھی' (جس کے پاس ہم سب کو ایک دن پیش ہونا ہے) اپنا جواب سوچ لیجئے۔

Jelal Abad
Afghanistan
17.12.66

My dear Tendulkar

I enclosed here with please find a Copy of the rough draft of introduction on the Pukhtoon nation. This draft has been prepared in a very short Time.

Please go through it and polish it. The purpose behind this draft is to introduce the Pukhtoon Nation to the outside world, so that the people of the world may know that the Pukhtoon Nation is not like the one introduce & shown to the people of the world by the British writters

I hope you will find it helpful to the work you have undertake. I am alright, I wish you the best of your health.

Yours
Abdul Ghaffar

ڈی.جی ٹنڈولکر کو خط کے ساتھ بھجوائی ہوئی دستخط شدہ تصویر

5 آزاد ریاستیں قائم کرنے کا ناپاک منصوبہ

قارئین کرام! پہلے اس موضوع پر بات ہو جائے کہ میں نے یہ سلسلہ مضامین کیوں شروع کیا اور اس کا مقصد کیا ہے۔

میں یہ سطریں لکھ رہا ہوں تو میز پر وہ تصویریں پڑی ہیں، جن میں مال روڈ پر اے این پی کے کارکنوں کو ''خبریں'' اور ''صحافت'' کے پرچے جلاتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ ان تصویروں کے ساتھ جو خبر ہمارے رپورٹر نے فائل کی ہے، اس کے مطابق مظاہرین نے جن کی تعداد ڈیڑھ سو کے لگ بھگ تھی، اپنے مرکزی قائدین کی موجودگی میں ضیا شاہد مردہ باد، اور ''خبریں'' اور ''صحافت'' مردہ باد کے نعرے بھی لگائے۔

اس سے پہلے کہ ہم اے این پی کے حوالے سے بات کریں، میں یہ بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ میری یہ تشویش اندر سے پھوٹ رہی ہے اور حالات اس نہج پر آ چکے ہیں کہ ہمیں پاکستان اور اس کے اساسی نظریے کے دشمنوں کے خلاف قلم اٹھانا پڑا ہے۔ میری تحریروں کا مقصد نہ تو حکومت وقت کی خوشنودی حاصل کرنا ہے کہ اللہ کے فضل سے ہمارے پڑھنے والے جانتے ہیں کہ یہ کبھی ہمارا مقصد زندگی نہیں رہا اور نہ اے این پی سے ہمیں کوئی ذاتی ناراضی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر ولی خان چارسدہ کے جلسہ عام میں ایک بار پھر خدائی خدمت گار اور سرحدی گاندھی کے سیاسی جانشین بن کر پاکستان کے آئین، پاکستان کے نظریے اور پاکستان کے حقائق کے خلاف اپنے خبث باطن کا اظہار نہ کرتے، تو میں کبھی یہ سلسلہ مضامین نہ لکھتا اور اللہ کو حاضر و ناظر جان کر کہتا ہوں کہ مجھے صرف ان سے نہیں اور بہت سی اطراف سے بھی تشویش لاحق ہے۔

قارئین کرام! ہم مڈل کلاس کے لوگ ہیں۔ اس ملک نے، اس کے عام آدمی نے، اس کے محروم طبقات نے ہمیں عزت دی، محبت دی، ہماری کومٹ منٹ اپنے ملک سے ہے، اپنے

لوگوں سے ہے۔ یہ ملک قائم ہے، مضبوط ہے، مستحکم ہے، خوشحال ہے تو اخبار بہت، کاروبار بہت، کامیابیاں بھی مل سکتی ہیں اور نیک نامیاں بھی، لیکن غلامی کی طرف، ذلت اور پستی کی طرف ہمیں لے جانے کے لیے کوشاں طاقتیں خدا نہ کرے کامیاب ہوگئیں تو یہ دنیاوی کامیابیاں کس کام کی۔ لہٰذا یہ سانس جو اس وقت چل رہی ہے، گواہ ہے کہ ہم اس ملک کی سربلندی اور استحکام کی جنگ لڑنا چاہتے ہیں اور یہ کوئی ڈائیلاگ نہیں، کوئی زبانی جمع خرچ نہیں، ہمارا ایمان ہے کہ موت کا جو دن معین ہے، اس سے پہلے کوئی مائی کا لال ہمیں مار نہیں سکتا اور عزت ہو یا ذلت، مشکل ہو یا آزمائش سب اللہ کے ہاتھ میں ہے، اس کی مرضی کے بغیر پتا نہیں ہل سکتا، اس نے ''کن'' کہا اور کائناتیں بن گئیں، ہم کیا اور ہماری بساط کیا۔ لہٰذا جس نے جو کرنا ہے کر لے، جو دھمکیاں دینی ہیں دے لے، کوئی اختیار و اقتدار میں ہے تو جو بڑی سے بڑی توپ چلا سکتا ہے چلا لے، کوئی سیاسی جماعت، کوئی بزعم خود طاقتور تنظیم، کوئی پریشر گروپ، کوئی بیوروکریٹ، کوئی جاگیردار اور سرمایہ دار، کوئی طرم خاں، کوئی تیس مار خاں اپنا کسی قسم کا شوق پورا کرنا چاہتا ہے تو کر کے دیکھ لے۔ جس بات کو ہم دل سے اس ملک کے لیے بہتر سمجھتے ہیں، اسے پوری قوت سے پوری آواز سے بلند کرتے رہیں گے۔

اور رحمت کی استدعا ہے تو صرف خدائے بزرگ و برتر سے، استقامت کی التجا ہے تو اس کالی کملی والےؐ سے، جس کے نام پر حاصل کیے جانے والے آزاد ملک کو توڑنے کی ناپاک کوششوں کا آغاز ہو چکا ہے اور دعا کے لیے التماس ہے تو ہر اس پاکستانی سے، جس کے امریکہ میں کاروبار، کینیڈا میں فارم، لندن میں محل، فرانس میں بیش قیمت فلیٹ اور سوئٹزرلینڈ میں بینک اکاؤنٹ نہیں ہیں اور جسے خود اور جس کے بچوں کو پاکستان ہی میں رہنا ہے، کہ وہ پاکستان کی سربلندی اور استحکام کے لیے دعا کرے اور جو لوگ مشکل ترین حالات میں پاکستان کے لیے آخری بڑی جنگ بھرپور طریقے سے لڑ کر ان بوڑھے گدھوں اور خون آشام چمگادڑوں سے اسے بچانا چاہتے ہیں، ان کے ساتھ جدوجہد میں شامل ہوں اور اگر شامل نہیں ہو سکتے تو زبان سے اس کی حمایت کریں، دل سے اس کے لیے کامیابی کی دعا مانگیں۔

اور قارئین محترم! اب میں چند خطرات آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں۔

پاکستان کی جگہ پانچ آزاد ریاستیں بنانے کا ناپاک منصوبہ

میں نے اپنے دفتر کے ریکارڈ روم سے 21 مارچ 1994ء کا اخبار منگوایا ہے۔یعنی چار سال پہلے کا اخبار، اس میں امریکہ میں مقیم پاکستانیوں کی تنظیم ''فرینڈز آف پاکستان'' کے سربراہ کا ایک انٹرویو شائع ہوا ہے،جس میں انہوں نے امریکی، یہودی منصوبے CXR پلان کا ذکر کیا ہے۔اس تفصیلی منصوبے کا ایک مختصر اقتباس ملاحظہ ہو:

''سی ایکس آر پلان کے تحت پاکستان کی جگہ 2000ء تک پانچ آزاد ریاستیں قائم کرنے کی کوشش کی جائے گی''، جن کی تفصیل یہ ہے:

1-پختونستان: یہ صرف صوبہ سرحد کا نام بدلنے کی تجویز نہیں بلکہ اس میں حسب سابق صوبہ سرحد کا پشتو بولنے والا علاقہ اور بلوچستان کی وہ پٹی بھی شامل ہوگی جو پشتو بولتی ہے اور اسے ساحل سمندر تک پہنچنے کا کاریڈور دیا جائے گا، تاکہ وسط ایشیا سے لوگ افغانستان اور پھر اس مجوزہ پختونستان کے راستے بحر ہند کے کھلے سمندروں تک پہنچ سکیں۔

2-بلوچستان: یہودی نقشے کے مطابق پختونستان کے مقابلے میں اس کی بندرگاہ کو وسیع کیا جائے گا، اسے علاقے کا نیا ہانگ کانگ بنایا جائے گا۔ بلوچستان سے اتنی معدنیات، گیس اور تیل نکل سکتے ہیں کہ یہ برونائی کے بعد دنیا کی امیر ترین ریاست ہوگی، کیونکہ یہاں آبادی کم اور رقبہ زیادہ ہے۔(1994ء میں شائع ہونے والے ''خبریں'' کے اس مضمون میں لکھا ہے کہ پیر پگاڑا کے پاس وہ کتاب موجود ہے جس میں لکھا ہے کہ 2000ء تک بلوچستان آزاد ریاست کی پوزیشن میں ہوگا۔اس کتاب کی تلخیص ہم ''خبریں'' کی ایک بعد کی اشاعت میں بھی چھاپ چکے ہیں۔)

3-پنجاب کو لسانی بنیادوں پر دو سے تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلے مرحلے پر سرائیکی صوبے کے لیے کام شروع کر دیا جائے گا۔

4-سندھ: اس کا ایک حصہ کاٹ کر موجودہ سندھ کو چھوٹا کر دیا جائے گا۔کراچی کو سندھ سے الگ کر کے اسے لیاقت آباد کا درجہ دیا جائے گا۔(نام، جناح پور، بھی رکھا جا سکتا ہے) لیاقت آباد ایک بین الاقوامی بندرگاہ ہوگی، جسے ہانگ کانگ کی طرح امریکی اثرورسوخ میں دیا جانا

مقصود ہے۔

سی ایکس آر پلان کے مطابق اس کے لیے کام 1995ء سے شروع ہو کر 1998ء میں عروج پر پہنچایا جائے گا اور 2000ء تک اسے مکمل ہو جانا چاہئے۔ سی ایکس آر پلان میں کشمیر کا ذکر بھی شامل ہے۔ اس کے مطابق کشمیر کو استصوابِ رائے کے بجائے تھرڈ آپشن کے تحت خود مختار اور آزاد بنایا جائے گا۔ پاکستان اور بھارت دونوں کے عوام کو وہاں سیاست کے لیے جانے کی آزادی ہو گی تاہم اقوام متحدہ اور بڑی طاقتیں اس کی سرحدوں کو بین الاقوامی سرحدوں کے طور پر تسلیم کریں گی اور اپنے حلیفوں سے کروائیں گی۔ اس مقصد کے لیے ضروری ہے کہ پاکستان سے آزاد کشمیر کے راستے مقبوضہ کشمیر میں حریت پسندوں کی مالی اور فوجی امداد بند کروائی جائے گی۔''

قارئین کرام! اس منصوبے کی دیگر تفصیلات کا مختصر اً جائزہ لینا بھی ضروری ہے۔

1- پاکستان میں فرقہ پرستی کا طوفان کھڑا کر کے بھائی کو بھائی سے لڑایا جائے گا۔

2- مذہب سے نفرت پیدا کرنے کے لیے مساجد کو خوف کی اور دین کو دہشت گردی کی علامت بنانے کی کوشش کی جائے گی کیونکہ جونہی دین پاکستانی مسلمانوں کی بنیادی اور اجتماعی طاقت کے طور پر کمزور ہو گا، علاقائی سوچ اور آزاد ریاستوں کے لیے راستہ ہموار ہو جائے گا، جن میں سے ہر ریاست امریکہ اور علاقے میں بھارت کی دست نگر بن جائے گی۔

3- جنسی سیلاب کے ذریعے پاکستان کی نئی نسل کو مذہبی قدروں سے برگشتہ کر دیا جائے گا۔ فیملی پلاننگ کی سب سے بڑی این جی او، جسے باہر سے امداد ملتی ہے، اس سلسلے میں بہترین کردار ادا کرسکتی ہے۔ جنسی تعلیم سے مذہبی اقدار کا جنازہ نکال کر ہی مسلمانوں کی وحدت کو پارہ پارہ کیا جا سکتا ہے، کیونکہ جنسی ترغیبات رشتوں کا احترام ختم کر دیتی ہیں اور فحاشی اور بے حیائی کا طوفان دینی قدروں کو بہا کر لے جائے گا۔ (قارئین! ڈش انٹینا کے ذریعے 1998ء میں گھروں کے بیڈ روموں تک پہنچنے والی فلمیں، خصوصاً بھارتی پروگرام، رقص و سرود، سیکس کے اشتہارات ملاحظہ کریں، کیا یہ محض اتفاق ہے کہ پی ٹی وی چینل تو بند رہتا ہے اور رات بھر زی ٹی وی، سٹار ٹی وی، انڈیا ٹی وی، ایل ٹی وی کھلے رہتے ہیں۔)

4- پاکستان کے خارجہ محاذ پر عراق کو کمزور کرنا ضروری ہے، کیونکہ اس کی دفاعی طاقت عالم

اسلام کو کسی بھی وقت مضبوط بنا سکتی ہے۔

5- سی ایکس آر کے نزدیک عراق کے بعد عالم اسلام میں پاکستان دوسری بڑی طاقت ہے، جو کسی حد تک ایٹمی صلاحیت حاصل کر چکا ہے اور آگے بھی جا سکتا ہے لہٰذا اس کے ایٹمی پروگرام کو رول بیک کرنا، اس کی معیشت کو تباہ کرنا، اس کی دفاعی صلاحیت کو کمزور کرنا اور بالآخر اس کی جگہ چھوٹی چھوٹی آزاد ریاستیں قائم کرنا ضروری ہے، جس میں سے ہر ایک امریکہ اور آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کی محتاج ہو۔

6- اس منصوبے کے مطابق ترکی بھی ایک ایسا مسلمان ملک ہے، جس کو عالم اسلام سے الگ رکھنا ضروری ہے اور سب سے اہم یہ ہے کہ وہاں اسلامی طاقتیں طاقتور نہ ہونے پائیں۔

قارئین کرام! ترکی میں اکثریت سے حکومت بنانے والی نجم الدین اربکان کی وزارت عظمیٰ کا حشر آپ کے سامنے ہے، جسے ہٹایا گیا، توڑا اور اب اربکان (جو وہاں کی اسلام پسند پارٹی کے سربراہ تھے) کو ان کے پانچ قریبی ساتھیوں سمیت اسمبلی کی رکنیت سے بھی محروم کروا دیا گیا ہے اور یہ سارا کام عدالتوں کے ذریعے کرایا گیا ہے۔ سی ایکس آر کی دستاویزات کے مطابق ترکی میں یہودی لابی کے ذریعے مسلسل اس بات پر نظر رکھنا لازم ہے کہ کہیں وہ دوبارہ اپنا اسلامی تشخص حاصل نہ کر لے۔

7- افغانستان کے بارے میں ''خبریں'' کے 1994ء میں چھپنے والے مضمون کے جملے ملاحظہ ہوں:

''پاکستان اور افغانستان کے تعلقات خراب کروانے میں بھی ''سی ایکس آر'' کا ہاتھ ہے۔ ان تعلقات کی خرابی کی انتہا یہ ہے کہ جس ملک کی آزادی کے لیے پاکستان کی حکومت اور عوام نے اتنی قربانیاں دیں، اس ملک میں پاکستان کا سفارت خانہ بند کروا دیا گیا تھا اور یوں وسط ایشیا کی ریاستوں سے (جن تک پاکستان براہ راست پہنچنے لگا تھا) اب درمیان میں ''بفرزون'' بننے کے باعث براہ راست تعلقات کمزور پڑنے لگے ہیں۔ امریکی خود افغانستان میں لسانی بنیادوں پر ریاستیں بنانے میں دلچسپی لے رہے ہیں تاکہ اس کا الگ اسلامی تشخص بھی ٹوٹے۔ علاقائیت اور زبان و نسل کے بت کھڑے کر کے سب سے پہلے اسلامی جذبے پر ضرب کاری لگائی جاتی ہے۔ پاکستان کے مختلف حصوں کو بھارت سے الگ کر کے ایک اکائی کی شکل دینے

والی واحد قوت کو کمزور کر دیں یا ختم کر دیں، پاکستان کی ضرورت اور جواز باقی نہیں رہے گا۔

اوراب دیکھیں، پاکستان میں کیا ہورہا ہے؟

قارئین کرام! یہ تھے ''خبریں'' کے 21 مارچ 1994ء کے شمارے سے کچھ اقتباسات۔ آئیے، اب مختصر ترین لفظوں میں دیکھیں کہ پاکستان میں کیا ہورہا ہے، کیا ہوسکتا ہے۔

1-افغانستان میں لسانی بنیادوں پر صوبے قائم کرنے کی امریکی کوشش راز نہیں رہی۔

2- سرحد میں ولی خان نے 50 سال بعد اچانک کانگریس کی زبان بولنی شروع کر دی ہے اور جس آئین پر دستخط کیے تھے، اس کو نامنظور کرتے ہوئے یہاں تک کہنا شروع کر دیا ہے کہ پاک افغان سرحد (یعنی ڈیورنڈ لائن) کو ہم نہیں مانتے اور دونوں طرف کے پختون ایک قوم ہیں اور ہم صرف صوبے کا نام نہیں اپنا پانی، اپنی بجلی، اپنی معدنیات، اپنی کانیں اور اپنے جنگل مانگتے ہیں۔ یہ سب کچھ امریکی سفارت کاروں کی اے این پی کے لیڈروں سے ملاقاتوں کے بعد ہوا۔

3- آزاد کشمیر میں ایسی حکومت قائم ہے، جس کے مزاج کا تحریک آزادی سے کوئی تعلق نہیں۔ ان کے ریسٹ ہاؤسوں اور سرکاری دفاتر سے اب شراب اور عورت کی کہانیاں جنم لے رہی ہیں۔

4- مقبوضہ کشمیر میں پاکستان سے غیر سرکاری طور پر بھی سرمائے اور اسلحے کے ذریعے حریت پسندوں کی مدد ناممکن ہوتی جارہی ہے کیونکہ حکومت وقت پر امریکہ کی طرف سے بہت پریشر ہے کہ اس ''ٹریفک'' کو روکیں۔

5- پنجاب کے جنوبی حصے میں امریکی سفارتکاروں اور ملٹی نیشنل کمپنیوں کے ماہرین کی دلچسپی بڑھ رہی ہے۔ سرائیکی صوبے کے لیے پنجاب پولیس کے ایک بہت سینئر اور ذمہ دار افسر نے بتایا کہ بھارت سے مالی امداد دھڑا دھڑ آرہی ہے اور تقسیم ہورہی ہے۔

6- فوج اور خفیہ ایجنسیوں کی نظر میں کچھ مشکوک سیاستدان پنجاب کی بھارت کے ساتھ ملحق زمینوں کی دھڑا دھڑ خریداری کررہے ہیں۔

7- سندھ سے برس ہا برس پہلے نقل مکانی کر کے بھارت جانے والے سندھی ہندوؤں کی

بستیوں کو محفوظ کرنے کے سلسلے میں بھارتی پریس میں فیچر چھپ رہے ہیں۔ایسے ہی ایک تصویری فیچر کا عنوان ہے''یہ لوگ کب اپنے''ہوم لینڈ''واپس جائیں گے۔''

8- پیر پگاڑا (جو ہمیشہ خود کو جی ایچ کیو کا آدمی کہا کرتے تھے) بدلے بدلے لہجے میں بات کر رہے ہیں۔''حرفورس'' کا کمانڈر کیوں ناراض ہے اور سندھ کے حصے بخرے ہونے کی باتیں کر رہا ہے۔

9-ایم کیو ایم کے ملزمین کی معافی، پھر معافی کی منسوخی کے بعد کراچی دھماکوں اور دہشت گردی کی زد میں آ رہا ہے۔الطاف حسین کا تازہ ترین تفصیلی خط یہ ظاہر کرتا ہے کہ مسلم لیگ سے ہنی مون ختم ہونے کو ہے۔اے این پی سے البتہ یارانے گہرے ہو رہے ہیں۔(ملاحظہ ہو باچا خان کی برسی پر پشاور کے جلسہ عام میں ایم کیو ایم کے نمائندے کی تقریر جو ولی خان سے بھی چار ہاتھ آگے نکل گئے۔)

10-بلوچستان کی بندرگاہ گوادر کو امریکیوں کے حوالے کرنے کی خبریں وقتاً فوقتاً چھپتی رہتی ہیں۔سوئی گیس ہماری ہو جائے تو ہم برونائی سے زیادہ امیر ہو سکتے ہیں۔اس موضوع پر بلوچستان کے نوجوانوں بالخصوص قوم پرست جماعتوں اور تنظیموں میں کھلے عام باتیں ہوتی ہیں۔

11-بلوچستان کے پاس علاقے ہیں، جو ایرانی پٹی کے ساتھ ساتھ ساحل سمندر کو شمال میں صوبہ سرحد سے ملاتے ہیں۔اسماعیلی فرقے کے لوگوں کی طرف سے اس ضمن میں وسیع پیمانے پر زمینیں خریدنے کی خبریں چھپ چکی ہیں۔

12- کراچی میں فوجی اور رینجرز کا (جو ایم کیو ایم اور حقیقی کے مابین کشمکش میں ہونے والے خون خرابے سے شہریوں کو بچانے کی کوشش کر رہے تھے، خیال عام ہے کہ ایم کیو ایم سے ''نیا ٹاکرا'' ہونے والا ہے اور مرکزی حکومت کی طرف سے پوری کوشش کے باوجود ایم کیو ایم کے مطالبات ایسے نہیں، جنہیں پورا کیا جا سکے اور اے این پی کے بعد اب ایم کیو ایم مسلم لیگ کا ہنی مون پیریڈ بھی ختم ہونے کو ہے۔

13- قوم پرست سندھیوں میں یہ بات پھیلائی جا رہی ہے کہ مردم شماری کے نتائج سے ان کی سیٹیں مزید کم ہو جائیں گی۔چنانچہ ان کی طرف سے احتجاج کی خبریں آ رہی ہیں۔

14- ملک میں آئی ایم ایف کی شرائط کے مطابق قرضے کی قسطیں حاصل کرنے لیے پرائیویٹائزیشن، ڈاؤن سائزنگ، گیس، پانی، بجلی، فون کی قیمتیں بڑھانے کے ساتھ ساتھ لاکھوں روپے ماہانہ پر مغربی ممالک سے ''پاکستانی ماہرین'' کو قیمتی ادارے سپرد کرنے کے فیصلوں اور تاجروں کی طرف سے ٹیکس کے مسئلے پر ہڑتالوں اور بڑھتی ہوئی مہنگائی اور بدامنی سے رفتہ رفتہ عام آدمی مایوس اور ملک کے مستقبل کے بارے میں بے یقین ہوتا جارہا ہے۔ یہ سارے حقائق ہم سب کے سامنے ہیں۔ لیکن ہم مایوس نہیں، ان کا حل بھی تلاش کیا جاسکتا ہے۔ بشرطیکہ ہم نیک نیت ہوں اور ملک بچانے والی طاقتیں ملک کو کمزور کرنے والی طاقتوں سے یارانے لگانے کے بجائے آپس میں مل کر کام شروع کردیں۔

قارئین کرام! یہ وجہ ہے کہ ہم نے ولی خان کی طرف سے تقریر کو تقریر نہیں، پاکستان دشمن پروگرام اور خطرے کی گھنٹی سمجھ کر اس کا نوٹس لیا ہے۔ اس پر مزید غور کی ضرورت ہے۔

اللہ ہمارے حال پر رحم کرے، کیونکہ ابھی کچھ نہیں بگڑا، ابھی ہم سنبھل سکتے ہیں، ابھی دشمن کے عزائم کو ناکام بنایا جاسکتا ہے، بس قبلہ سیدھا کرنے اور صفیں درست کرنے کی ضرورت ہے۔
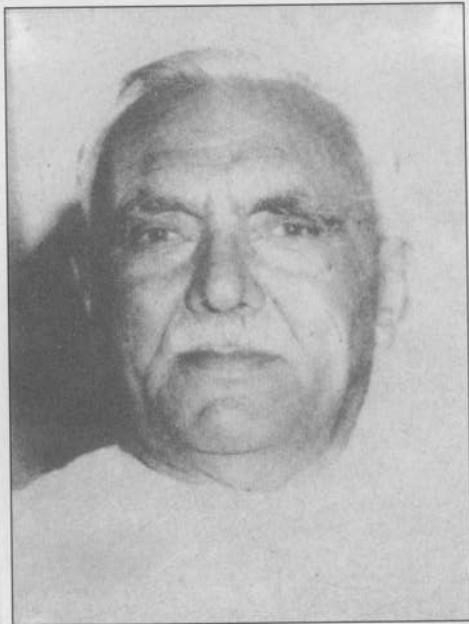
ولی خان کے چچا ڈاکٹر خان

1947ء کا ریفرنڈم اور ولی خان کا نیا جھوٹ

قارئین کرام! سچی بات یہ ہے کہ میں ان مضامین کو منطقی انجام تک پہنچانے کے لیے روزانہ آخری دو ایک موضوعات پر قلم اٹھانا شروع کرتا ہوں' مگر درمیان میں کوئی ایسی نئی بات سامنے آجاتی ہے کہ اس کا جواب تلاش کرنے کے لیے نئی کتابیں' فائلیں اور ریکارڈ کی چھان بین کرنا پڑتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ میری اس تحقیق و جستجو کا مقصد صرف سچائی تک پہنچنا ہے اور چونکہ میں چاہتا ہوں کہ اے این پی کے دوستوں اور خان غفار خان اور جناب ولی خان کے مداحوں کو یہ شکایت نہ ہو کہ ہم کسی حوالے کے بغیر بات کر رہے ہیں' لہٰذا یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ میں نے زیادہ تر ان کتابوں سے حوالے دیے ہیں' جنہیں خود ولی خان اور ان کے مداح مستند تسلیم کرتے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ سرحدی گاندھی صاحب کے پیروکار حضرات مجھے یا ''خبریں'' کو جتنی جی چاہے گالیاں دیں' میرے سلسلہ مضامین میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں' جو اخلاق و تہذیب سے گرا ہوا ہو یا جس پر گالی کا گمان گزرتا ہو۔ ہم بہرحال تہذیب کے دائرے میں رہ کر بات کرتے ہیں اور کریں گے۔ لاہور میں اے این پی کا 130 لوگوں پر مشتمل جلوس نکالا گیا' جس میں 17 خواتین بھی شامل تھیں۔ انہوں نے ہمارے اخبار جلائے' سرحد کے شہر مردان میں جناب مجید نظامی کے ساتھ میرے پتلے جلائے گئے اور ہمیں دھمکیاں دی گئیں۔ ہمارے دفتر میں توڑ پھوڑ کی گئی۔

ہماری کوئی سیاسی جماعت نہیں۔ اس کے باوجود مال روڈ پر اگر ہم کسی بھی روز صرف ''خبریں'' کے چاہنے والوں پر مشتمل جلوس نکالنا چاہیں اور اے این پی کے پاکستان دشمن رویے پر احتجاج کروانا چاہیں تو اللہ کے فضل و کرم سے ہم جیسے بے سروسامان مڈل کلاسیئے مگر

پاکستان پر دل سے یقین رکھنے والے لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں، چیلنج کرتے ہیں کہ 130 کو دس سے نہیں سو سے ضرب دے کر اس روز گنتی کے لیے لوگ بھیج دیجئے گا اور اس جلوس میں کسی کو لانے کے لیے ہم نہ اپنی جیب سے کچھ خرچ کر سکتے ہیں نہ اس کی ضرورت ہے اور اجمل خٹک صاحب! ہم آپ کو اہل علم سمجھتے ہوئے آپ کی عزت کرتے رہے ہیں۔ آپ بھلے سے ہمارے رپورٹر پر اپنی پریس بریفنگ کے دروازے بند کر دیں، اپنے سامنے ہمارے اخبارات جلوائیں اور اوپر سے بگلا بھگت بن کر یہ کہتے رہیں کہ گالی نہ دو، ہم ایسی باتوں سے حوصلہ ہارنے والے نہیں کیونکہ ابھی تو آپ کی باری آنی ہے کہ آپ پاکستان سے کس حال میں اور کس طرح بھاگ کر افغانستان گئے تھے اور کابل میں کیا کرتے اور کیا کہتے رہے ہیں، لیکن پہلے چند باتیں اور واضح ہو جائیں۔

مسلم لیگ پر جعلسازی کا الزام

قارئین محترم! ولی خان صاحب نے دو روز پہلے پشاور میں جسٹس ذکی الدین پال کے مضمون کے جواب میں جو کچھ فرمایا، پہلے اس کے اصل الفاظ پڑھ لیں:

''یہ درست ہے کہ میں نے کہا تھا کہ 1947ء میں پاکستان کے حق میں یا مخالفت میں سرحد میں کروایا جانے والا ریفرنڈم محدود تھا کیونکہ ایک تو اس ریفرنڈم کے وقت ووٹ مخصوص تھا، عام نہیں تھا اور دوم، یہ صرف صوبہ سرحد کے چھ اضلاع تک محدود رہا۔ ہماری چھ ایجنسیاں (بشمول قبائلی علاقہ جات) اس میں شامل نہیں تھیں۔ ان چھ اضلاع کی آبادی 35 لاکھ تھی اور ووٹر چھ لاکھ سے بھی کم تھے۔ ہائیکورٹ کے ایک سابق چیف جسٹس نے بھرے کورٹ میں یہ فخریہ کہا کہ ''میں دن بھر بکسوں میں ووٹ ڈالتا رہا۔'' یہ تو پشاور کی بات تھی، سارے صوبے میں یہی حالت رہی۔ اس کے باوجود باقی اعداد و شمار ملاحظہ ہوں۔ ٹوٹل ووٹ 5 لاکھ 72 ہزار 799، پول شدہ ووٹ 2 لاکھ 92 ہزار 118 (51 فیصد)، پاکستان کے حق میں 2 لاکھ 89 ہزار 249 (50.5 فیصد) ووٹ پارلیمانی دنیا میں حق خودارادیت کے لیے کوئی فیصلہ کن حیثیت نہیں رکھتے۔ مگر ہم نے پھر بھی اسے چیلنج نہیں کیا۔''

قارئین محترم! سب سے پہلے تو خود ولی خان کے تسلیم کردہ نتائج ایک بار پھر ملاحظہ ہوں۔

پاکستان کے حق میں یہ ریفرنڈم 1947ء میں صوبہ سرحد میں ہوا تھا:

کل رجسٹرڈ ووٹ:	5لاکھ 72ہزار 799
جو ووٹ ڈالے گئے:	2لاکھ 92ہزار 118
کل ووٹوں کا فیصد:	51فیصد
پاکستان کے حق میں:	2لاکھ 89ہزار 249
کل ووٹوں کا فیصد:	50.5 (بقول ولی خان)

پڑھنے والوں کی دلچسپی کے لیے جناب ولی خان کا استدلال ملاحظہ ہو:

وہ تسلیم کرتے ہیں کہ کل ووٹ جو ڈالے گئے' وہ رجسٹرڈ ووٹوں کا 51 فیصد تھے۔ پاکستان جیسے ملکوں میں یہ کسی بھی طرح سے کم تعداد نہیں۔ واضح رہے کہ گزشتہ الیکشن میں (جس کے نتیجے میں جناب نواز شریف وزیر اعظم بنے اور خود ولی خان کی پارٹی نے مسلم لیگ کے کندھوں پر بیٹھ کر سرحد میں 30 ایم پی اے کی سیٹیں جیتیں' اس میں) کل رجسٹرڈ ووٹوں میں سے ڈالے گئے ووٹوں کا اوسط سرکاری اعداد و شمار کے مطابق 35 فیصد اور غیر جانبدار حلقوں کے مطابق (جن میں سابق صدر فاروق لغاری کا الیکشن کمیشن میں ٹی وی انٹرویو بھی تھا) 22 فیصد تھا۔ تعجب ہے کہ ولی خان صاحب مانتے ہیں کہ پول ہونے والے صوبہ سرحد کے ریفرنڈم میں 2 لاکھ 92 ہزار 118 ووٹوں میں سے 2 لاکھ 89 ہزار 249 ووٹ پاکستان کے حق میں پڑے مگر یہ نہیں کہتے کہ صرف 2 ہزار 869 ووٹروں نے پاکستان کے خلاف رائے دی۔

پھر پاکستان کے حق میں اتنی بھاری اکثریت (تقریباً 99 فیصد) کو وہ 50.5 فیصد' اس طرح بیان کرتے ہیں کہ پاکستان کے لیے حاصل کرنے والے ووٹوں کو وہ کل پول ہونے والے ووٹوں کا حصہ شمار کر کے فیصد نہیں نکالتے' بلکہ کل رجسٹرڈ ووٹروں سے تناسب نکال کر خود کو خوش کرتے ہیں کہ پاکستان کے حق میں صرف 50.5 فیصد لوگوں نے ووٹ دیے حالانکہ ہمارے ہاں ریفرنڈم ہو یا الیکشن' کبھی سو فیصد ووٹ پڑ ہی نہیں سکتے۔ یہ بات ظاہر کرتی ہے کہ کچھ لوگ سرے سے ووٹ کاسٹ ہی نہیں کرتے' کچھ فوت ہو چکے ہوتے ہیں' کچھ اپنے شہر یا علاقے سے باہر ہوتے ہیں اور صوبہ سرحد میں تو ولی خان کے والد غفار خان اور تایا ڈاکٹر خان صاحب نے (جن کی سرحد میں وزارت اعلیٰ تھی) بائیکاٹ کی اپیل بھی کی تھی۔ اس اپیل کے

باوجود 1947ء میں آج سے پچاس سال پہلے 51 فیصد ووٹروں کا پاکستان کے حق میں ووٹ ڈالنا' ولی خان کو کم نظر آتا ہے۔ بابا جی! خدا کا خوف کریں' یہ 50.5 فیصد نہیں' 99 فیصد ہے اور پاکستان کے لیے یہی حیرت انگیز کامیابی آپ کو ہضم نہیں ہوئی۔ رہی یہ بات کہ قبائلی ریاستوں کے ووٹ نہیں لیے گئے' تو حضور قبائلی علاقے کو تو پہلی بار گزشتہ الیکشن میں براہ راست ووٹ دینے کا حق ملا۔ پھر صوبہ سرحد تو اس وقت بھی انتظامی اعتبار سے وہی تھا' جہاں ووٹ پڑے اور ریفرنڈم کرایا گیا۔ قبائلی علاقے جن معاملات اور تحفظات کے ساتھ انگریز کے دور میں صوبہ سرحد کے ساتھ سمجھے جاتے تھے' کم و بیش وہی آج بھی موجود ہیں اور آج بھی قبائلی علاقوں میں پولیٹیکل ایجنٹ کا نظام قائم ہے۔ پھر آپ 1947ء کے ریفرنڈم میں یہ عجیب و غریب منطق کہاں سے لے آئے؟

قارئین محترم! اس سے پہلے کہ ہم یہ بتائیں کہ صوبہ سرحد میں ریفرنڈم کی تجویز کس طرح سامنے آئی' انگریز کا موقف کیا تھا' کانگریس کیا چاہتی تھی' مسلم لیگ نے کیا جواب دیا' پہلے ولی خان صاحب کے اس دعویٰ کے جواب میں کہ ''مسلم لیگ نے 1947ء میں ریفرنڈم میں بوگس ووٹ ڈالے اور نتائج فیصلہ کن نہیں تھے۔''

ذرا کانگریس کی طرف سے غفار خان اور ڈاکٹر خان صاحب کے بارے بعض مستند حوالے ملاحظہ کریں۔

مولانا ابوالکلام آزاد کی کتاب ''آزادی ہند'' ایک ایسی دستاویز ہے' جس کے مندرجات سے ولی خان اور ان کے متعلقین اس لیے اختلاف کی جرأت نہیں کر سکتے کہ مولانا آزاد کانگریس کے صدر رہے اور پاکستان بننے کے بعد بھارت کے وزیر تعلیم مقرر ہوئے۔

مولانا آزاد کے خان برادران پر الزامات

مولانا کی کتاب ''آزادی ہند'' کے صفحہ 310 پر لکھا ہے:

''کانگریس ورکنگ کمیٹی نے سرحد کانگریس کے اس فیصلہ کو تسلیم کر لیا اور خان عبدالغفار خان کو اختیار دے دیا کہ جو مناسب قدم چاہیں' اس سلسلے میں اٹھائیں۔ سرحد کانگریس کا مطالبہ اب یہ تھا کہ آزاد پٹھان ریاست (پٹھانستان یا پختونستان) قائم کی جائے۔''

آگے چل کر مولانا ابوالکلام آزاد کہتے ہیں:

''غفار خان نے مطالبہ کیا' ریفرنڈم اس بات پر نہیں ہونا چاہئے کہ سرحد پاکستان سے وابستہ ہوگا یا ہندوستان سے' ایک تیسری متبادل تجویز یہ ہے کہ دونوں سے الگ رہ کر وہ آزاد ہو چاہے تو پختونستان قائم کرلے۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہوا تو پختون پاکستان کے دوسرے عناصر میں جذب ہو کر رہ جائیں گے۔

اس موقع پر' چونکہ انگریزی حکومت نے یہ تسلیم نہ کیا اور 3 جون کے فارمولے کے مطابق سرحد میں ریفرنڈم کروانے کا فیصلہ کرلیا تو سرحدی گاندھی عبدالغفار خان نے گاندھی سے بات کی' جنہوں نے لارڈ ماؤنٹ بیٹن وائسرائے کو 28 جون 1947ء کو دہلی سے خط لکھا۔ اس خط میں' جس کا متن FACTS ARE SACRED صفحہ 95 پر درج ہے' گاندھی نے لکھا ہے:

''خان عبدالغفار خان نے مجھ سے شکایت کی ہے کہ میں آپ کی توجہ اس طرف دلاؤں کہ پنجاب سے مسلمان مرد اور عورتیں ریفرنڈم کو جیتنے کے لیے مسلم لیگ کی طرف سے سرحد میں لائے جارہے ہیں۔ اس سے خون خرابے کا خطرہ بڑھ گیا ہے۔''

نظر آ رہا تھا کہ سرحد میں ڈاکٹر خان صاحب ولی خان کے تایا اور کانگریسی حکومت کے وزیراعلیٰ اس نتیجے پر پہنچ چکے تھے کہ سرحد کے مسلمان پاکستان کے حق میں ووٹ دیں گے لہٰذا انہوں نے پنجاب پر الزام لگانا شروع کر دیا' لیکن کیا خود کانگریس ان کے اس عذر کو تسلیم کرتی تھی؟ اس کا اندازہ پھر مولانا ابوالکلام آزاد کی کتاب سے ہوتا ہے۔ نام ہے ''آزادی ہند''

یہ کتاب INDIA WINS FREEDOM کا اردو ترجمہ ہے۔

خان برادران کی کنجوسی اور غفار خان کی فریب کاری

مولانا آزاد لکھتے ہیں:

''واقعہ یہ ہے کہ خان برادران (غفار خان اور ڈاکٹر خان صاحب) سرحد میں اتنے طاقتور نہیں تھے' جتنا کانگریس نے سمجھ رکھا تھا۔ تقسیم ہند کے ایجی ٹیشن کے بعد ان کا اثر و رسوخ کم ہوتا جارہا تھا اور جب کہ پاکستان بالکل سامنے آرہا تھا اور مسلم اکثریت کے صوبوں سے وعدہ کرلیا
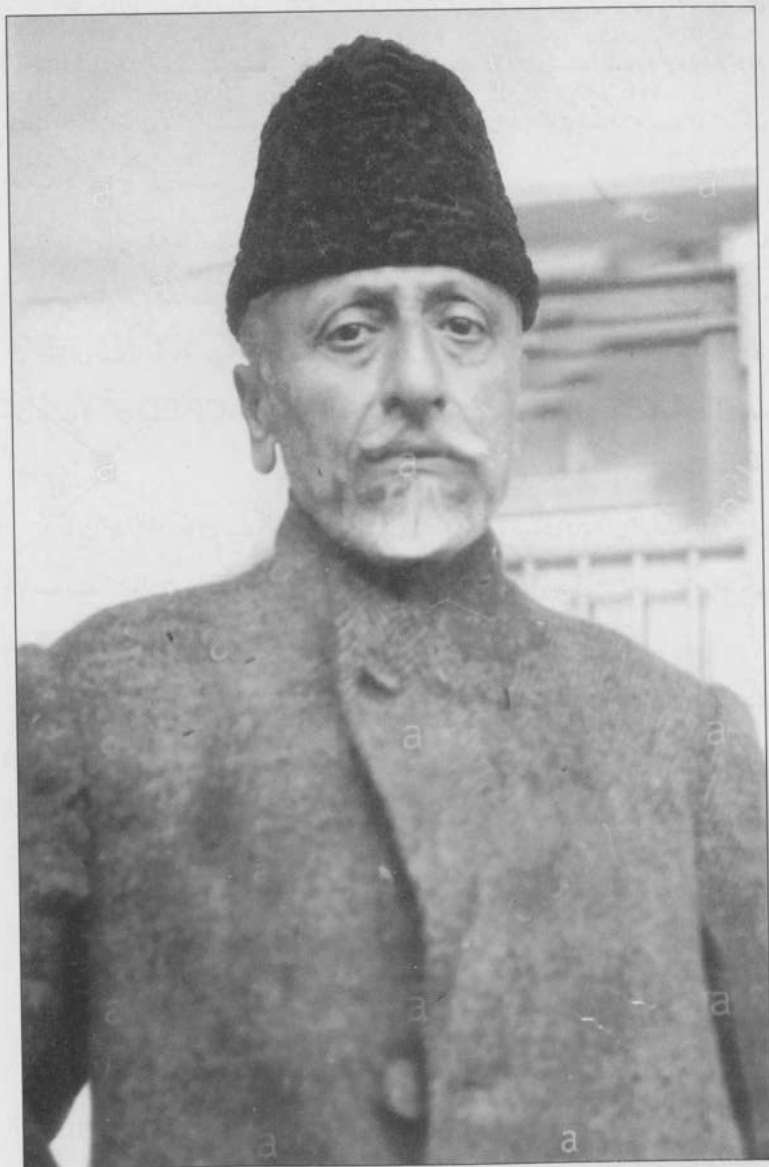
مولانا ابوالکلام آزاد

گیا تھا کہ وہ اپنی آزاد حکومت قائم کر سکتے ہیں تو جذبات کا دھارا اپنے ساتھ سرحد کو بھی بہا کر لے گیا۔''

ایک اور اقتباس ملاحظہ ہو:

''صوبہ سرحد کے متعلق ہر بات میں ہم خان عبدالغفار خان اور ان کے بھائی ڈاکٹر خان صاحب پر بھروسا کرنے کے عادی ہو گئے تھے......''

''جواہر لعل نہرو کو یہ رپورٹیں بھی ملیں کہ سرحد کی آبادی کا بڑا حصہ کانگریس اور خان بھائیوں کے خلاف ہے۔ مقامی حکام نے بار بار یہ رپورٹ بھیجی کہ سرحد میں کانگریس عوام کی حمایت کھو چکی ہے اور اب عوام کی وفاداریاں کانگریس کے بجائے مسلم لیگ کے ساتھ ہیں۔ اس پر جواہر لعل نہرو نے خود سرحد کا دورہ کر کے اپنی رائے قائم کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔''

اس کتاب میں مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں:

''خان برادران سے پے در پے ایسی غلطیاں سرزد ہوئیں' جنہوں نے مخالفوں (مسلم لیگ) کی طاقت میں مزید اضافہ کر دیا۔ یہ غلطیاں زیادہ تر ذاتی اور سماجی قسم کی تھیں۔ سرحد کا پٹھان اپنی میزبانی کے لیے مشہور ہے۔ وہ اپنی روٹی کا آخری ٹکڑا بھی خوشی خوشی مہمان کے لیے رکھ دیتا ہے۔ اس کا دستر خوان ہر ایک کے لیے کھلا رہتا ہے۔ وہ دوسروں سے بھی اس جذبہ میزبانی کی توقع رکھتا ہے' خاص طور پر ان لوگوں سے جو سماج میں کسی بڑے منصب پر فائز ہوں۔ بخل اور کنجوسی سے زیادہ کوئی چیز بھی اس میں انحراف اور برگشتگی کا جذبہ پیدا کرنے والی نہیں۔ بدقسمتی سے خان بھائی سرحد کے لوگوں کی نگاہ میں اسی چیز سے محروم تھے۔''

اس بات کو مولانا آزاد نے اور واضح کیا ہے:

''خان بھائی دولت مند آدمی ہیں' لیکن خُوئے میزبانی سے تہی دامن ہیں۔ ڈاکٹر خان صاحب کے وزیراعلیٰ بننے کے بعد بھی ان کے دستر خوان پر شاید ہی کوئی مدعو ہو کر آیا ہو' چائے یا کھانے کے وقت اگر کچھ لوگ آ جاتے تو ان سے یہ کبھی نہ کہا جاتا کہ ماحضر تناول فرمائیے۔'' یہ تو عادت کی بات تھی' لیکن سیاسی فنڈ کھانے اور خرچ نہ کرنے کا ثبوت ملاحظہ ہو۔

''بخل اس پبلک فنڈ پر بھی اثر انداز تھا' جس پر انہیں تصرف حاصل تھا۔ الیکشن کے زمانے میں کانگریس نے ایک رقم خطیر ''خان برادران'' کی صوابدید پر چھوڑ دی۔ لیکن خان بھائیوں

نے اس فنڈ کا روپیہ کم سے کم خرچ کیا۔ کئی کانگریسی امیدوار اس لیے ناکام ہوئے کہ معقول اور بروقت امداد نہ مل سکی۔''

اور اب ان کی کنجوسی کی ایک اور مثال دیکھیں مولانا آزاد کہتے ہیں:

''ایک موقع پر پشاور سے کچھ لوگ الیکشن فنڈ کے سلسلے میں میرے پاس کلکتہ آئے۔ چونکہ یہ چائے کا وقت تھا' میں نے چائے اور بسکٹ پیش کیے۔ وفد کے کئی لوگوں نے بسکٹوں پر حیرت کی نظر ڈالی۔ ایک آدمی نے بسکٹ اٹھایا اور مجھ سے اس کا نام پوچھا۔ معلوم ہوتا تھا' یہ بسکٹ اسے پسند آیا۔ پھر ان لوگوں نے مجھ سے کہا کہ ایسے ہی بسکٹ انہوں نے ڈاکٹر خان صاحب کے گھر میں دیکھے ہیں' لیکن انہوں نے ہم لوگوں کو نہ کبھی بسکٹ کھلائے نہ چائے پلائی۔''

ویسے بعض لوگ آج کل بھی ولی باغ چارسدہ کے بارے میں جہاں جناب ولی خان کی رہائش ہے' ایسی ہی داستانیں بیان کرتے ہیں۔ تاہم مولانا آزاد کا یہ بیان کہ ان کے بزرگ کانگریس سے ملنے والا انتخابی فنڈ تک خرچ نہیں کرتے تھے' ایک ایسا الزام ہے' جو اس باب میں حرف آخر کے طور پر سمجھنا چاہیئے۔

سرحد میں سیاہ جھنڈیوں سے پنڈت نہرو کا استقبال

اوپر ہم نے ذکر کیا ہے کہ خان برادران واقعی صوبہ سرحد میں مقبول ہیں یا نہیں' اس موضوع پر بقول مولانا آزاد پنڈت جواہر لعل نہرو نے فیصلہ کیا' وہ خود سرحد کا دورہ کریں گے۔ اس دورہ کا ذکر ''آزادی ہند'' میں مولانا آزاد نے یوں کیا ہے:

46ء میں صحیح پوزیشن یہ تھی کہ ہم دہلی میں بیٹھے ہوئے خان بھائیوں کی ہردلعزیزی اور مقبولیت کے بارے میں جو رائے رکھتے تھے' وہ حقیقت پر مبنی نہ تھی۔ جواہر لعل جب پشاور پہنچے تو یہ انکشاف ایک ناخوشگوار جھٹکے کی طرح انہیں محسوس ہوا۔ ڈاکٹر خان صاحب صوبے کے وزیراعلیٰ تھے اور وزارت کانگریس کی تھی۔ جب جواہر لعل ہوائی اڈے پر اترے تو انہوں نے دیکھا کہ ہزاروں پٹھان کالی جھنڈیاں لیے جمع ہیں اور مخالفانہ نعرے لگ رہے ہیں۔ ڈاکٹر خان صاحب اور دوسرے وزراء جو جواہر لعل کے استقبال کے لیے آئے خود بھی پولیس کے پہرے میں کھڑے تھے اور بالکل

ہی بے بس ثابت ہو رہے تھے۔''

آگے پڑھیے کہ ڈاکٹر خان اور غفار خان کی مقبولیت کا پول کیسے کھلا:

''جواہر لعل جیسے ہی طیارے سے اترے' ان کے خلاف مخالفانہ نعرے لگنے لگے۔ مجمع کے کچھ لوگوں نے کار پر حملہ کرنے کی کوشش کی۔ ڈاکٹر خان صاحب اتنے گھبرائے کہ انہوں نے اپنا ریوالور نکال کر شوٹ کرنے کی دھمکی دی۔ اس کے بعد ہی ان کو جانے کا راستہ مل سکا۔ جواہر لعل اور وزراء کی کاریں پولیس کے گھیرے میں آگے بڑھ رہی تھیں۔''

''دوسرے روز جواہر لعل قبائلی علاقے کے دورے پر پشاور سے روانہ ہوئے۔ ہر جگہ انہوں نے مخالفوں کے بڑے جتھے دیکھے۔ وزیرستان کے ملک خاص طور پر ان مظاہروں کے ذمہ دار تھے۔ بعض مقامات پر جواہر لعل کی کار پر پتھراؤ بھی کیا گیا۔ ایک مرتبہ ایک پتھر ان کی پیشانی پر آ کر لگا۔ ڈاکٹر خان صاحب اور ان کے رفقاء بالکل بے بس نظر آ رہے تھے۔''

قارئین محترم! یہ سطریں ہماری نہیں' پنجاب کے پریس نے نہیں لکھیں' ''نوائے وقت'' یا ''خبریں'' کا الزام نہیں ہے۔ جناب یہ مولانا ابوالکلام آزاد کی کتاب ''آزادی ہند'' کے صفحات سے ہو بہو' لفظ بہ لفظ نقل کی گئی ہیں۔

جناب ولی خان! کیا پھر بھی آپ کہیں گے کہ ریفرنڈم بوگس تھا اور سرحد کے لوگ پاکستان کے ساتھ شامل ہونا نہیں چاہتے تھے یا آپ کے والد سرحدی گاندھی خان عبدالغفار کا یہ الزام درست تھا کہ پنجاب نے 1947ء میں بھی لاہور اور دوسرے شہروں سے لوگ پشاور بھیجے تھے کہ مسلم لیگ کی مدد کریں۔ رسی جل گئی مگر بل نہ گیا۔ بابا جی عمر میں ہم سے بہت بڑے ہیں' مزید کیا لکھیں۔

کچھ مزید اقتباسات بھی دیکھ لیں۔ بہت دلچسپ مشاہدات ہیں' مولانا ابوالکلام آزاد نے لکھا ہے:

''خان بھائیوں کا یہ دعویٰ غلط نہ تھا کہ باشندگان سرحد کا ایک بڑا طبقہ ان کا حامی ہے' لیکن انسان اپنی قوت کے بارے میں ہمیشہ کچھ زیادہ ہی گمان رکھتا ہے۔ خان بھائی ہم پر یہ اثر ڈالنا چاہتے تھے کہ دوسرے صوبوں کے مسلمان تو کانگریس کے مخالف ہیں لیکن صوبہ سرحد مکمل طور پر کانگریس کے ساتھ ہے' لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایک مضبوط اور طاقتور جماعت (مسلم لیگ)
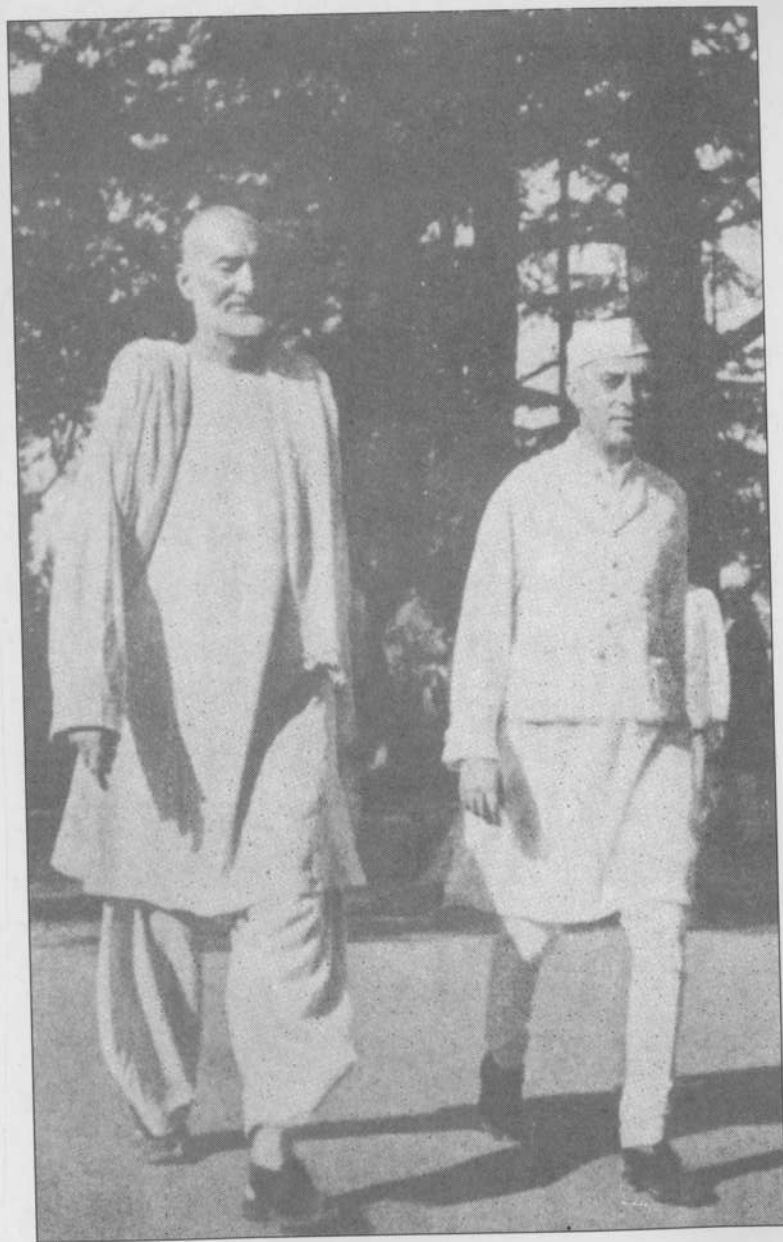
عبدالغفار خان، نہرو کے ساتھ

خان بھائیوں کے خلاف تھی۔"

ریفرنڈم کے نتائج پر مولانا ابوالکلام آزاد کے الفاظ یہ ہیں:

''مسٹر جناح اور لارڈ ماؤنٹ بیٹن میں سے کوئی بھی پختونستان کا مطالبہ ماننے کے لیے تیار نہیں تھا۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے یہ بات واضح کر دی تھی کہ صوبہ سرحد ایک جداگانہ اور آزاد ریاست نہیں بن سکتا' البتہ پاکستان یا ہندوستان میں جس کے ساتھ چاہے' وابستہ رہ سکتا ہے۔ خان بھائیوں نے اعلان کر دیا کہ ان کی پارٹی استصواب عام میں کوئی حصہ نہیں لے گی۔ انہوں نے پٹھانوں سے اپیل کی کہ وہ استصواب کا بائیکاٹ کریں' لیکن مخالفت کارگر نہ ثابت ہوئی۔ استصواب عام ہوا اور باشندگان سرحد کی بھاری تعداد نے پاکستان کی حمایت میں ووٹ دیا۔ اگر خان برادران نے استصواب کا بائیکاٹ نہ کیا ہوتا اور ان کے حامیوں نے پوری پوری جدوجہد کی ہوتی تو آسانی سے اندازہ ہو سکتا تھا کہ پٹھان کس تناسب سے پاکستان کے خلاف ہیں۔ بہرحال استصواب کا نتیجہ ہر لحاظ سے مسلم لیگ کے حق میں رہا اور برطانوی حکومت کو اسے تسلیم کرنا پڑا۔"

قارئین کرام! کیا مولانا ابوالکلام آزاد کی اس گواہی کے بعد کسی مزید گواہی کی ضرورت ہے؟ کیا ریفرنڈم کے اعداد و شمار (جو خود ولی خان صاحب نے جناب جسٹس ذکی الدین پال کو اپنے جواب میں درج کیے ہیں) یہ ثابت نہیں کرتے کہ اب اس موضوع پر گفتگو محض خبث باطن کے سوا کچھ نہیں۔ کل ڈالے گئے ووٹوں میں سے اگر 99 فیصد ووٹ ریفرنڈم میں پاکستان کے حق میں ہوں' اگر کل رجسٹرڈ ووٹوں میں سے 51 فیصد ووٹروں نے بائیکاٹ کے باوجود ریفرنڈم میں ووٹ کاسٹ کیے ہوں' لہٰذا بائیکاٹ نہ ہوتا تو بھی کیا نتیجہ نکلتا' پانچ دس فیصد ووٹ مخالفت میں پڑ جاتے۔ خود مولانا آزاد لکھتے ہیں کہ بائیکاٹ نہ ہونے کی صورت میں صرف یہ پتا چل سکتا تھا کہ کتنے فیصد سرحد کے لوگ بھارت کے ساتھ ملنا چاہتے ہیں' اور بس۔

ہمارے ہاں کسی بھی الیکشن میں ووٹ دینے والوں کا اوسط پچپن ساٹھ فیصد سے زیادہ نہیں رہا۔ پھر ولی خان صاحب ریفرنڈم کے جواز کو کیوں چیلنج کر رہے ہیں' کیوں بہانے تلاش کر رہے ہیں؟ اس کی ایک وجہ چلتے چلتے عرض کر دوں۔

امریکہ کا افغانستان کے لیے نیا پلان، پختون حل

جی ہاں، قارئین محترم، یہ سرخی پڑھ کر چونکیے نہیں۔ یہ بھی پنجابی پریس کا واویلا نہیں ہے۔ اخبار کا نام ہے ''ڈان'' کراچی، تاریخ ہے 12 فروری 98ء سرخی ملاحظہ ہو۔

"US prepares plan for Afghanistan"

اس سرخی کا، جسے امریکہ میں مقیم نمائندہ خصوصی برائے ''ڈان'' شاہین صہبائی نے بھیجا ہے، اردو ترجمہ یہ ہے: ''امریکہ نے افغانستان کے لیے پلان تیار کر لیا'' اور یہ پلان کیا ہے، اس کے لیے اس خبر کی صرف پہلی چند سطریں۔ پہلے انگریزی میں اور پھر اردو میں۔

WASHINGTON , Feb 11 : The United States has prepared a blueprint for Afghanistan, envisaging a "Pakhtoon solution " to counter the Taliban hold on the war-torn country a well-known expert revealed here on Tuesday.

" The blueprint involves setting up some kind of a shoora or a loya jirga, in which all parties would be represented and moderate and liberal Pakhtoon element would balance the extremism of Taliban, Prof . Marvin Weinbaum of the University of Illinois, who has just rerturned from a visit to Pakistan and Afghanistan , said at a Discussion organized by the Middle East Institute in Washington.

''واشنگٹن، 11 فروری: امریکہ نے افغانستان کے مسئلے کے حل کے لیے ایک بلیو پرنٹ تیار کیا ہے، جو جنگ کے بعد برباد ہونے والے ملک پر طالبان کے قبضے کو کاؤنٹر کرے گا۔ اس حل کو ''پختون حل'' کا نام دیا گیا ہے۔ گزشتہ روز اس بات کا انکشاف ایک خصوصی ماہر نے کیا۔

اس بلیو پرنٹ کے مطابق ایسی شوریٰ یا لوئی جرگہ بنایا جائے گا، جس میں تمام جماعتوں کو نمائندگی مل سکے۔ ''ماڈریٹ'' اور لبرل قسم کے ''پختون'' عناصر اس میں طالبان کی انتہا پسندی کو بیلنس کریں گے۔ یونیورسٹی آف ILLINIOS کے پروفیسر ماردین وین بام نے جو حال ہی میں پاکستان اور افغانستان کا دورہ کر کے واپس آئے ہیں، واشنگٹن میں ''مڈل ایسٹ

انسٹیٹیوٹ'' میں ایک مذاکرے میں اس ''پختون حل'' کا انکشاف کیا۔''

سو جناب ولی خان! امریکہ کے پاس افغانستان اور پاکستان کی مدد سے مسئلے کا جو ''پختون حل'' موجود ہے' آپ اس کی وجہ سے تیز تر تو نہیں ہوئے' ورنہ کیا یہ درست نہیں کہ:

1947ء میں ریفرنڈم ہارنے کے بعد پختونستان کی بات ٹھنڈی پڑ گئی تھی۔ 1970ء میں یحییٰ خان نے ون یونٹ کی جگہ دوبارہ صوبے بحال کیے' تو آپ نے نیشنل عوامی پارٹی کی طرف سے ان سے مذاکرات کیے تھے۔ آپ نے شمال مغربی سرحدی صوبہ ہی بحال کرایا۔ اس وقت پختونستان یا پختونخوا کا نام نہیں لیا۔ 1973ء میں آپ نے آئین پر دستخط کیے' جس میں سرحد کا نام درج ہے۔ آپ نے ایک بار بھی اس کا مطالبہ نہیں کیا۔ اس دوران آپ کی پارٹی صوبہ سرحد میں مفتی محمود کے ساتھ مل کر حکومت میں بھی رہی مگر اس دور کی صوبائی اسمبلی نے پختونخوا کے لیے قرارداد منظور نہیں کی۔ یہ اسی سال آپ کو باچا خان کا پیغام' پختونوں کے حقوق' سرحد کے نام کی تبدیلی' صوبائی حقوق جو آئین سے زیادہ ہوں' سرخ ٹوپیاں اور جلسہ عام کو دیکھ کر پختونستان کیوں دکھائی دینے لگا؟ جواب دیجئے' کچھ تو بولیے۔

عبدالغفار خان کا خاندان
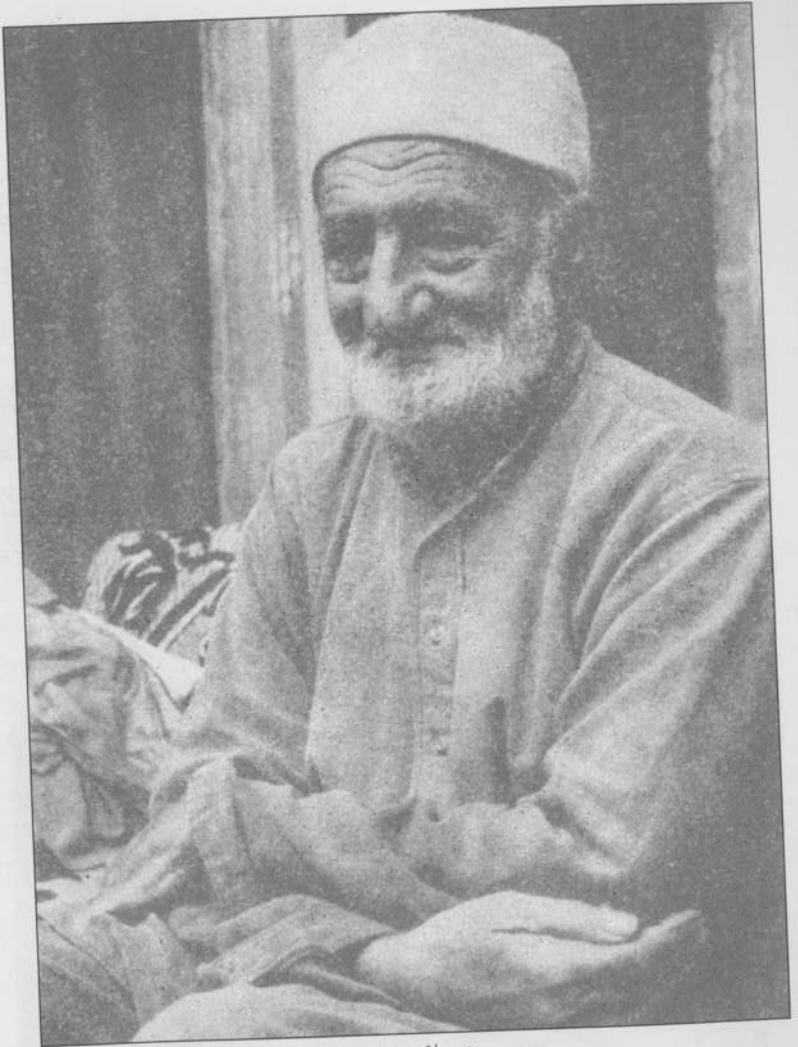
عبدالغفار خان

پاکستان......ایک قوم کا وطن' یا چار...... پانچ ...... چھ......قوموں کا

قارئین کرام! پاکستان میں ایک قوم رہتی ہے یا چار قومیں' آج کل اس پر بحث پھر سے شروع ہو چکی ہے۔ گزشتہ دنوں اے این پی کے ''رہبر'' ولی خان نے پشاور میں اعلان کیا کہ ہم پختون قوم کے حقوق کے لیے لڑ رہے ہیں اور ہم افغانستان اور پاکستان کے مابین واقع ڈیورنڈ لائن کو نہیں مانتے کیونکہ دونوں طرف پختون قوم رہتی ہے۔ کراچی میں ایم کیو ایم جب سے بنی ہے' الطاف حسین مہاجر قوم کے لیے لڑ رہے ہیں۔ ان کی جماعت کا نام مہاجر قومی موومنٹ تھا' جو انہوں نے اگرچہ بدل کر متحدہ قومی موومنٹ کر دیا ہے' تاہم سب جانتے ہیں کہ یہ مہاجر قومیت کی دعویدار اور ان کے حقوق کی علمبردار جماعت ہے' البتہ الیکشن میں حق پرست کے نام سے حصہ لیتی ہے جس پر ہم بعد میں بحث کریں گے۔ سندھ میں جو لوگ صوبائی خودمختاری کے لیے مطالبہ کرتے ہیں' وہ خود کو قوم پرست کہتے ہیں۔ ان میں جئے سندھ' سندھ نیشنل فرنٹ اور اسی قسم کی دوسری پارٹیاں اور گروپ شامل ہیں۔ ان کے نزدیک سندھی ایک قوم ہیں۔ بلوچستان میں بھی قوم پرست پارٹیاں اور رہنما بلوچ قوم کے حقوق کے لیے آواز بلند کرتے رہے ہیں' جیسے بلوچستان نیشنل پارٹی' بلوچستان نیشنل موومنٹ' پختونخوا ملی عوامی پارٹی' جمہوری وطن پارٹی وغیرہ۔ اب پنجاب کے جنوبی حصے سے سرائیکی قوم کی آواز بلند ہو رہی ہے' الیکشن کمیشن آف پاکستان نے 1997ء کے الیکشن کی جو رپورٹ چھاپی ہے' اس میں درج ذیل سیاسی پارٹیوں میں پاکستان سرائیکی لیگ اور سرائیکی نیشنل پارٹی اسی علاقے سے ہیں۔ بلوچستان ہی سے وقتاً فوقتاً پشتون حضرات یہ بھی مانگ کرتے رہتے ہیں کہ ہم بلوچوں سے مختلف قوم ہیں۔ حال ہی میں وہاں سے مطالبہ ہوا ہے کہ پختونخوا کا نام اگر سرحد کو ملتا ہے تو ہمیں جنوبی

پختونخوا اور انہیں شمالی پختونخوا قرار دیا جائے' کیونکہ ہم پشتون ضرور ہیں مگر بلوچستان کے پشتون ہیں' سرحد کے نہیں۔ اس سے پہلے تمام بزعم خود ''ترقی پسند'' یا ''قوم پرست'' پارٹیاں اپنے منشوروں میں بھی یہ کہتی آئی ہیں کہ پاکستان ایک قوم کا نہیں' کثیر القومی ملک ہے۔ یعنی یہاں ایک سے زائد قومیں آباد ہیں۔ جب پاکستان کو ایک قوم سمجھنے والے لفظ ''قوم'' پر اعتراض کرتے ہیں' تو قوم پرست لفظ ''قومیتیں'' استعمال کرنے لگتے ہیں۔ یعنی NATION کے بجائے NATIONALITIES کی اصطلاح سامنے لائی جاتی ہے۔

دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ پاکستان کے قیام سے پہلے تحریک پاکستان جس کی قیادت آخر میں مسلم لیگ کے سربراہ قائداعظم محمد علی جناحؒ نے کی' لیکن جس کا آغاز برصغیر میں جمال الدین افغانی کے نظریے سے ہوا کہ مسلمان اور ہندو دو الگ قومیں ہیں' جسے علامہ اقبالؒ نے خطبہ الٰہ آباد میں ایک مفکر اور فلسفی کی حیثیت سے پیش کیا' جسے پاکستان کا نام اور ابتدائی خاکہ چودھری رحمت علی نے دیا اور جس کی حتمی شکل ایک طویل سیاسی جدوجہد کے بعد قائداعظمؒ کے تخلیق کردہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کی صورت میں سامنے آئی' وہ درحقیقت پاکستان میں صرف اور صرف ایک (یعنی پاکستانی) قوم کا تصور دیتی ہے۔ یہ بحث چونکہ طویل ہے اور اس کے بہت سے پہلو ہیں' تاہم کسی نہ کسی مقام سے تو اس بحث کا آغاز کرنا ہوگا۔

صوبائی حقوق کی آڑ میں جدا قوم کا نعرہ

محض آسانی کی خاطر پہلے صوبہ سرحد میں اٹھنے والی موجودہ سیاسی تحریک سے شروع کرتے ہیں۔ جس میں بظاہر تو شروع میں صوبہ سرحد کا نام پختونخوا رکھنے کا مطالبہ کیا گیا تھا' لیکن ولی خان صاحب نے غفار خان کی برسی پر جلسہ عام سے خطاب کرتے وقت کہا کہ صرف نام تبدیل کرنے کا مسئلہ نہیں' یہ پختونوں کے حقوق کا مسئلہ ہے' جو پاکستان اور افغانستان کے مابین بین الاقوامی تسلیم شدہ سرحد ڈیورنڈ لائن کے دونوں طرف آباد ہیں اور یہ کہ افغانستان سے آنے والے ہمارے بھائی ہیں' کیونکہ یہ ان کی اپنی زمین ہے' جبکہ پنجاب سے آنے والے مہاجر ہیں۔

جناب ولی خان نے علیحدگی کا ذکر الفاظ میں تو نہیں کیا' لیکن صوبائی حقوق کی آڑ میں جس طرح 1973ء کے آئین سے آگے بڑھ کر صوبے میں موجود بجلی' پانی' زمرد کی کانوں' جنگلات وغیرہ پر اپنا حق ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ یہ چیزیں بلکہ صرف بجلی ہمیں مل جائے تو ہم سب سے مالدار صوبہ بن سکتے ہیں' اس سے ان کے ذہن میں جو کچھ تھا وہ سامنے آ گیا۔

آئیے! دیکھیں' پاکستان میں ایک قوم کے بجائے اسے کثیر القومی ملک قرار دینے والے کس حد تک حق بجانب ہیں۔ یہ بات اچھی طرح واضح ہونی چاہئے کہ میں ہرگز ہرگز کسی صوبے کے حقوق کے خلاف یا صرف مرکز میں اختیارات کے ارتکاز کے حق میں نہیں ہوں' لیکن ہم یہ ضرور چاہتے ہیں کہ صوبائی حقوق کی آڑ میں پاکستان سے علیحدگی یا ایک پاکستانی قوم کی جگہ چار' پانچ اور چھ قوموں کا فلسفہ نہ پیش کیا جائے۔ واضح رہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ تعداد بڑھتی جا رہی ہے۔ خدا جانے چار پانچ سال بعد پاکستان میں مزید کتنی قومیتیں یا قومیں سر اٹھا کر اپنے لیے صوبائی حقوق اور رفتہ رفتہ ان کی آڑ میں خود مختاری یا دوسرے لفظوں میں علیحدگی کا

مطالبہ کرنے لگیں گی۔ یا کم از کم ان قوموں یا قومیتوں کے نام پر منفی سیاست کرنے والے ایسے نعرے اور بحثیں اٹھا کر پاکستان کو ایک قوم کی مثالی ریاست کے بجائے ٹکڑے ٹکڑے کرنا چاہیں گے۔ یہ ساری سوچ پاکستان کے نظریے یعنی قائداعظمؒ کی سوچ کے مطابق دو قومی نظریے کے یکسر خلاف ہے جس کا نتیجہ یہ نکل سکتا ہے کہ خدانخواستہ کراچی کے مہاجر زبان کی بنیادوں پر اندرون سندھ سے علیحدہ ہونے کی سوچیں' بلوچستان کے کچھ بلوچ ایرانی بلوچوں کے ساتھ' سندھ کے بعض سندھی بھارت میں بسنے والے ہندو سندھیوں کے ساتھ' سرحد کے کچھ پشتو بولنے والے افغانستان کے پختونوں کے ساتھ اور پنجاب کے سرحدی علاقوں کے پنجابی بھارتی پنجاب کے پنجابی بولنے والوں کے ساتھ ''مشترکہ قوم'' بنانے کی باتیں شروع کر دیں' اور یوں خدانخواستہ پختونخوا یا پختونستان' آزاد بلوچستان' پاکستان کی سرحدوں کو نظر انداز کرتے ہوئے نئے سندھ اور گریٹر پنجاب کی ریاستیں موجودہ پاکستان کی جگہ دنیا کے نقشے پر ابھاری جا سکیں۔ یہ بھارت' اسرائیل یا امریکی نیو ورلڈ آرڈر کی کسی سکیم کا حصہ تو ہو سکتا ہے' پاکستان کی سالمیت اور استحکام کے لیے خطرناک زہر سے کم نہیں۔ ابھی اس ملک میں پاکستان اور نظریہ پاکستان کے شیدائی اتنی بڑی تعداد میں موجود ہیں کہ وہ ان شر پسندانہ عزائم کے راستے میں دیوار بن جائیں گے۔ بشرطیکہ صحیح نقشہ ان کے سامنے پیش کیا جا سکے۔

دشمنان ملک و ملت کا طریقہ واردات کچھ اس قسم کا ہے کہ وہ کھل کر اپنے گھناؤنے عزائم کا اظہار نہیں کرتے' بلکہ اسے ''کیموفلاج'' کرتے ہوئے پہلے صوبے یا علاقے کے حقوق کا نام دیتے ہیں حالانکہ پاکستان کے اکثر صوبے انگریز نے انتظامی یونٹ کے طور پر بنائے تھے۔

پنجاب میں سکھوں کے زمانے تک سرحد اور پشاور تک کا علاقہ شامل تھا۔

سندھ پاکستان بننے سے ذرا پہلے ممبئی سے الگ کیا گیا۔ اس سے پہلے محمد بن قاسم کے زمانے میں یہ ملتان تک پھیلا ہوا تھا۔

بلوچستان پاکستان بننے تک پورا صوبہ تھا ہی نہیں۔

اور سرحد کو تو انگریز نے آ کر صوبے کا درجہ دیا اور 1935ء میں یہاں پہلا گورنر مقرر کیا گیا اور صوبائی اسمبلی کا الیکشن ہوا۔

دشمنان پاکستان' پاکستان کی بنیاد پر یوں حملہ کرتے ہیں کہ بظاہر محسوس نہیں ہوتا کہ وہ کیا کہہ

رہے ہیں، لیکن ایک بات واضح طور پر سمجھ لینی چاہئے کہ پاکستان اس وقت تک برقرار رہ سکتا ہے، جب یہاں پاکستانی قوم رہتی ہو اور قومیت کی بنیاد اگر دین اسلام کے بجائے زبان، نسل یا رنگ ٹھہرائے جائیں تو پھر وہی صورت پیدا ہو جائے گی کہ پاکستان کی سرحدیں جو بالخصوص بھارت کی طرف سے جغرافیائی نہیں یا قدرتی طور پر پہاڑوں یا دریاؤں سے الگ نہیں کی گئیں، بلکہ اس خیال سے برصغیر کے دو حصوں پر مشتمل ہیں کہ ہم ہندو سے جدا قوم ہیں، مدھم پڑتے پڑتے (خدانہ کرے) ختم ہو جائیں گی۔

آیئے! اس مسئلہ کو پہلے سرحد کے حوالے سے دیکھیں:

لفظ پختونستان یا پختونخوا کہاں سے آیا؟

ڈاکٹر احمد حسن وانی معروف تاریخ دان ہیں۔ گزشتہ دنوں صوبہ سرحد کے بارے میں بحث شروع ہوئی تو انہوں نے اسلام آباد کے انگریزی اخبار ''نیشن'' کو انٹرویو دیتے ہوئے حسب ذیل حقائق بیان کیے:

''پختونخوا مان لیا گیا تو پاکستان کا نام بھی بدلنا پڑے گا۔''

''سرحد میں شامل علاقوں کا تاریخ میں کبھی کوئی نام نہیں رہا۔ پنجاب کو پانچ دریاؤں اور سندھ کو دریائے سندھ کی وجہ سے نام ملا۔''

''لفظ پختونستان پہلی بار باچا خان (عبدالغفار خان) نے استعمال کیا۔''

''پاکستان میں الف سے مراد افغانہ، پ سے پنجاب، ک سے کشمیر، س سے سندھ اور ستان سے بلوچستان ہے۔''

آیئے ''نیشن'' کی پوری خبر کا اردو ترجمہ دیکھیں:

''شمال مغربی سرحدی صوبے میں شامل علاقوں کا تاریخ میں کسی وقت بھی کوئی نام نہیں رہا اور نہ اس نام کا تعلق کسی بھی طرح سے اس علاقے میں بولی جانے والی کسی زبان سے رہا ہے۔ ''پختونستان'' کا لفظ پہلی بار قیام پاکستان سے کچھ عرصہ پہلے عبدالغفار خان عرف باچا خان نے استعمال کیا۔ اب ''پختونخوا'' نے لفظ ''پختونستان'' کی جگہ لے لی ہے۔''

ان خیالات کا اظہار معروف تاریخ دان ڈاکٹر احمد حسن وانی نے اسلام آباد کے ایک

پختونستان کا مجوزہ پرچم

انگریزی اخبار ''نیشن'' کو انٹرویو دیتے ہوئے کیا۔

انہوں نے کہا کہ پنجاب اور سندھ دو صوبے ہیں، جن کو اس لیے یہ نام نہیں ملے کہ یہاں پنجابی بولی جاتی تھی یا سندھی، بلکہ ان دونوں صوبوں کو یہ نام اس طرح ملے کہ سندھ کو دریائے سندھ کی وجہ سے اور پنجاب کو پانچ دریاؤں کی وجہ سے نام ملا اور بعد ازاں جو لوگ ان صوبوں میں آباد ہوئے، انہیں علی الترتیب پنجابی اور سندھی کہا جانے لگا۔

انہوں نے کہا کہ سرحد کو پہلی بار شمال مغربی سرحدی صوبہ (N.W.F.P) کا نام 1901ء میں دیا گیا، کیونکہ اس وقت کے حکمرانوں کے لیے اس نام کی اہمیت تھی، جو ظاہر ہے کہ اب موجود نہیں رہی۔

لیکن اگر سرحد کا نام تبدیل کرنا ہی ہے تو اسے ''گندھارا'' کیوں نہ کہا جائے، کیونکہ یہ نام اڑھائی ہزار سال پرانا ہے۔ گندھارا نامی علاقے کے دو بڑے شہر تھے۔ اول: ٹیکسلا، دوم: چارسدہ۔ زمانہ قبل مسیح سے اس علاقے کو گندھارا کہا جاتا رہا ہے۔ اس کی سرحدیں موجودہ افغانستان کے جلال آباد سے شروع ہوتی تھیں اور ٹیکسلا اور جہلم دریا تک آتی تھیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ بھی غلط ہے کہ پختون اس علاقے پر حکومت کرتے تھے، کیونکہ موجودہ صوبے سرحد کی جگہ کبھی کوئی آزاد ریاست تھی ہی نہیں۔ یہ تمام علاقہ قبائل پر مشتمل تھا اور مختلف لوگوں کی حکمرانی کے تحت رہا۔

انہوں نے کہا، 1762ء میں جب سلطان محمود غزنوی آئے تو انہوں نے ''غزنی'' کے نام سے ایک ریاست قائم کی، جس میں آج کا پورا افغانستان اور آج کا پورا پاکستان شامل ہے۔ اس سلطنت کے دو پایہ تخت تھے۔ غزنی اور لاہور۔ 1000ء سے 1200ء کے مابین احمد شاہ ابدالی نے موجودہ افغانستان کے علاقے کو افغانستان کا نام دیا، لیکن اس کے رہنے والوں کو بھی پختون نہیں کہتے تھے۔

ڈاکٹر احمد حسن دانی نے کہا کہ لفظ ''پنجاب'' کو بھی پہلی بار مغل دور میں استعمال کیا گیا اور مسلمانوں سے پہلے برصغیر میں اس لفظ کو بھی کوئی نہیں جانتا تھا۔ مغلوں کے پاس لاہور اور ملتان دو صوبے تھے، ملتان میں آج کا سندھ بھی شامل تھا۔ انہوں نے کہا، سکھ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے زمانے میں پہلی بار ''پنجاب'' موجودہ صوبے کے شمالی علاقے کو کہا گیا۔ تاہم اس وقت بھی

سرائیکی علاقہ رنجیت سنگھ کے پنجاب میں شامل نہ تھا۔

ڈاکٹر وانی نے کہا کہ آٹھویں صدی کے بعد خیبر صرف ایک درے کا نام تھا' مگر یہ کبھی افغانستان یا سرحد کے کسی علاقے کا نام نہیں تھا۔ انہوں نے کہا کہ مغلوں کے دور میں موجودہ صوبہ سرحد' کابل صوبے کا ایک حصہ تھا۔ 1901ء میں یہ پنجاب کا حصہ بن گیا اور یہ کبھی علیحدہ صوبہ نہیں تھا۔ انہوں نے کہا کہ 1979ء کے بعد افغانستان سے پشتو بولنے والے بے شمار لوگ آ کر شمال مغربی سرحدی صوبے میں آباد ہو گئے۔ آج سرحد میں پشتو بولنے والوں کی اکثریت ہوگئی ہے۔

ڈاکٹر وانی نے کہا کہ موجودہ صوبہ سرحد کے علاقوں' ہزارہ' چترال' ڈیرہ اسماعیل خان' کوہاٹ' بنوں اور پشاور کے لوگ پشتو بولنے والے نہیں ہیں بلکہ اپنی اپنی زبانیں بولتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان میں لفظ میں ''الف'' سے مراد افغانہ'' ''پ'' سے پنجاب'' ''ک'' کشمیر ''س'' سے سندھ اور ''ستان'' سے بلوچستان ہے۔

انہوں نے کہا' یہی وجہ ہے کہ سابق وزیر داخلہ نصیر اللہ خان بابر نے کہا ہے کہ سرحد کا نام ہی بدلنا ہے تو اسے ''افغانہ'' کا نام دیا جائے' کیونکہ اگر سرحد کا نام بدل کر ''پختونخوا'' رکھ دیا گیا تو لفظ ''پاکستان'' میں سے بھی ''افغانہ'' کو نکالنے کی وجہ سے پاکستان کا نام بھی بدلنا پڑے گا۔''

قارئین کرام! ڈاکٹر وانی کے خیالات آپ نے پڑھے۔ یوں تو سندھ' پنجاب اور بلوچستان کے بارے میں بھی بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے' تاہم آج کل بحث چونکہ سرحد سے شروع ہوئی ہے' اس لیے ہم صوبہ سرحد کے حوالے سے بات کرتے ہیں۔

صوبہ سرحد کا تاریخ وار جائزہ

قارئین محترم! درج ذیل معلومات کے لیے میں نے کم از کم بیس بائیس کتابوں کا مطالعہ کیا ہے۔ اس کے باوجود کسی سن یا مہینے کے سلسلے میں یا کسی نام کے بارے میں غلطی کا احتمال موجود ہے۔ تاہم اصل مقصد تاریخ کے کسی موضوع پر ریسرچ کر کے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کرنا نہیں' بلکہ حقائق کا سرسری جائزہ لینا ہے۔ آیئے' دیکھیں جس صوبے کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ ہم اتنے ہزار سال سے پختون ہیں' لہٰذا ہمارے صوبے کا نام پختونخوا رکھا جائے اور

پختونوں کے حقوق دیئے جائیں' اس کا اصل پس منظر کیا تھا' اختصار کے خیال سے سرحد کی سن وار پوزیشن لکھ رہے ہیں۔

1- اٹھارہویں صدی تک ''پختون'' علاقے میں کوئی باقاعدہ پختون ریاست یا سلطنت قائم نہیں تھی۔ اورنگزیب عالمگیر کے دور میں یہ علاقہ مغلیہ سلطنت کا حصہ تھا جس کا دارالحکومت دہلی تھا اور کابل ان کا ایک صوبہ تھا۔

2- 1820ء میں رنجیب سنگھ مہاراجہ نے سرحدی علاقوں پر چڑھائی شروع کی۔ 1823ء میں سکھ فوجیں پشاور میں داخل ہوئیں۔ 1825ء میں سید احمد شہید نے سکھوں کے خلاف جہاد کا آغاز کیا' جس میں مسلمانان ہند نے بھرپور حصہ لیا۔ 1831ء میں سید احمد بالاکوٹ کے مقام پر سکھوں کے ساتھ جہاد کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔

1846ء میں انگریزوں اور سکھوں کے مابین معاہدہ ہوا' جس کے تحت سرحد پر ایجنٹ مقرر کیے گئے۔ 1848ء میں انگریزوں نے سکھوں سے اقتدار چھین کر سرحد پر اپنا اقتدار قائم کیا۔

3- 1894ء میں برطانوی حکومت نے سرحد اور افغانستان کے مابین ڈیورنڈ لائن کے نام سے حد فاصل قائم کی تھی' جسے افغانستان نے تسلیم کیا۔

4- 1901ء میں لارڈ کرزن انگریزی حکومت کی طرف سے وائسرائے بن کر ہندوستان آیا' تو اس نے بنوں' پشاور' ہزارہ' ڈیرہ اسماعیل خان اور کوہاٹ وغیرہ کو پنجاب سے الگ کر کے نیا صوبہ بنایا' جس کا نام شمال مغربی سرحدی صوبہ رکھا کیونکہ یہ علاقہ برطانوی ہندوستان کے شمال مغرب میں تھا۔

واضح رہے کہ اس وقت تک یہ علاقہ صوبہ پنجاب کے ماتحت تھا اور لاہور سے اس پر حکومت کی جاتی تھی۔ لہٰذا قارئین یہ بات نوٹ کر لیں کہ صوبہ سرحد کی موجودہ شکل کو صرف 96 سال ہوئے ہیں اور اس کے ہزاروں سال سے کسی باقاعدہ ریاست یا صوبے یا الگ حکومت کی شکل میں ہونے کا دعویٰ کرنا اور یہ کہنا کہ یہاں پختونستان یا پختون یا اس قبیل کی کوئی دیگر ریاست' حکومت یا صوبہ بھی تھا' تاریخ کی رو سے یکسر غلط اور بے بنیاد بات ہے۔

قوم اور قومیتوں کی بحث

قارئین محترم! میں اس بات سے متفق ہوں کہ پاکستان کے قیام کا مقصد پورا ہو ہی نہیں سکتا، اگر ہم اس کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے ہر شہر اور ہر قصبے کے لوگوں تک معاشی اور سماجی عدل و انصاف نہ پہنچا سکیں اور حکومت میں گلی محلے کی سطح تک عام آدمی کو شریک نہ کر سکیں۔

اس امر میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ پاکستان میں اختیار و اقتدار پر ایک ٹولے کی حکمرانی رہی، جس نے جمہوریت کے نام پر بھی سیاسی آمریت کی راہ اختیار کی اور ایوب خان، یحییٰ خان اور ضیاالحق کے دور حکومت میں تو تھوڑے بہت کیموفلاج کے ساتھ مارشل لا کے ادوار تھے، جس کے سبب اختیارات کا ایک شخص اور جس شہر میں وہ شخص رہتا تھا، اس شہر میں ارتکاز یقینی امر تھا۔

میں یہ بھی تسلیم کرتا ہوں کہ مشرقی پاکستان کو بنگلہ دیش بنانے میں بھارت کی سازشوں سے کہیں زیادہ ہمارے سیاسی اور معاشی نظام کی کمزوریوں کا بھی دخل تھا، جن کے باعث بنگالی مسلمانوں کے دلوں میں یہ احساس پیدا ہوا کہ ان کا حکومت اور اختیار و اقتدار میں کوئی دخل نہیں اور محرومی کے اس احساس نے آگے چل کر پہلے چھ نکات اور پھر اسلام آباد سے مایوسی اور بددلی کو جنم دیا، جس پر بھارت کی مداخلت اور بھارتی فوج کی آمد نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔

لیکن ان ساری باتوں کے باوجود میں پوری ایمانداری سے یہ سمجھتا ہوں کہ موجودہ پاکستان میں شامل صوبے انتظامی یونٹ ہیں، زبان یا رنگ و نسل کی بنیاد پر معرض وجود میں آنے والی الگ الگ قوموں کی نیم خودمختار ریاستیں نہیں ہیں۔ جیسا کہ پاکستان کی حکومتوں اور حکمرانوں کی عوام سے بے انصافیوں کے نتیجے میں طاقت پکڑنے والے نام نہاد قوم پرست دعویٰ کر رہے ہیں۔

آیئے، سب سے پہلے آل انڈیا مسلم لیگ کے اس سالانہ اجلاس کی طرف چلیں، جس میں مصور پاکستان علامہ اقبالؒ مرحوم نے 29 دسمبر 1930ء کو اپنے مشہور خطبہ الٰہ آباد میں ہندوستان کے مسلمانوں کی نشاندہی کی۔ انہوں نے کہا:

''یورپی ممالک کی طرح ہندوستانی معاشرے کی وحدتیں علاقائی حدود میں پابند نہیں ہیں۔ برصغیر ہندوستان میں بھانت بھانت کے لوگ اور مختلف مذاہب کے ماننے والے بستے ہیں' چنانچہ مسلمان اپنے لیے مسلم انڈیا کے قیام کے مطالبے میں پورے پورے حق بجانب ہیں۔''

''میری خواہش ہے کہ پنجاب' سندھ' بلوچستان اور سرحد ایک ریاست میں مدغم ہو جائیں۔ آزادی چاہے برطانوی حکومت کے تحت ہو یا اس کے بغیر' میرے نزدیک ہندوستانی مسلمانوں کی آخری منزل ایک شمال مغربی ہندوستان کے مسلم علاقوں پر مشتمل ریاست کا قیام ہے۔''

سوال یہ ہے کہ اگر ہم نے خطبہ الٰہ آباد کو بنیاد بنا کر پاکستان بنایا اور علامہ اقبال کے بقول پنجاب' سندھ' بلوچستان اور سرحد کو ایک ریاست میں مدغم کیا' تو کیا اب ہم صوبائی حقوق کی آڑ میں اور قوم پرستی کے کیموفلاج میں ان صوبوں کو جن کی حدود انگریز نے اپنی انتظامی سہولتوں کے مطابق قائم کی تھیں' اب الگ الگ قوم کا علاقہ قرار دے کر اتنی ''صوبائی خودمختاری'' حاصل کرنا چاہیں گے کہ مرکز کے پاس صرف دفاع' کرنسی اور خارجہ امور رہ جائیں) اور آگے چل کر فیڈریشن سے کنفیڈریش اور کنفیڈریشن سے الگ الگ ریاستیں معرض وجود میں آ جائیں۔ پھر یہ صرف ولی خان ہی کی نہیں' تمام قوم پرستوں کی یہی سوچ ہے۔ کیا ممتاز بھٹو صاحب نے ''پاکستان فیڈریشن نہیں کنفیڈریشن'' کے نام سے پمفلٹ نہیں لکھا تھا؟ اور ابھی تک انہوں نے ''سندھ نیشنل فرنٹ'' کے نام سے ایک ''قوم پرست'' پارٹی نہیں بنا رکھی' جس نے 97ء کے الیکشن میں بھی اسی پلیٹ فارم سے حصہ لیا تھا؟

اس موقع پر قارئین کی تفریح طبع کے لیے معروف مزاح نگار اور معروف شاعر ابنِ انشا کی تصنیف ''اردو کی آخری کتاب'' سے ایک خاکہ پیش خدمت ہے۔ جس میں انہوں نے اسی خیال کو بہت خوبصورتی سے بیان کیا ہے؟

ہمارا ملک

''ایران میں کون رہتا ہے؟''
''ایران میں ایرانی قوم رہتی ہے۔''
''انگلستان میں کون رہتا ہے؟''
''انگلستان میں انگریز قوم رہتی ہے۔''
''فرانس میں کون رہتا ہے؟''
''فرانس میں فرانسیسی قوم رہتی ہ ے۔''

☆☆......☆☆......☆☆

''یہ کون سا ملک ہے؟''
''یہ پاکستان ہے۔''

☆☆......☆☆......☆☆

''اس میں پاکستانی قوم رہتی ہوگی؟''
''نہیں' اس میں پاکستانی قوم نہیں رہتی''
''اس میں سندھی قوم رہتی ہے''
''اس میں پنجابی قوم رہتی ہے''
''اس میں بنگالی قوم رہتی ہے''
''اس میں یہ قوم رہتی ہے۔''
''اس میں وہ قوم رہتی ہے۔''

☆☆......☆☆......☆☆

''لیکن......پنجابی تو ہندوستان میں بھی رہتے ہیں!
سندھی تو ہندوستان میں بھی رہتے ہیں!
بنگالی تو ہندوستان میں بھی رہتے ہیں!
پھر یہ الگ ملک کیوں بنایا تھا؟''

☆☆......☆☆......☆☆

''غلطی ہوئی' معاف کردیجئے' آئندہ نہیں بنائیں گے۔''

☆☆......☆☆......☆☆

قارئین محترم! قوم اور قومیت کی بحث کو کیوں کر سمیٹیں۔ اس ضمن میں سپریم کورٹ کا ایک فیصلہ ایسا ہے جو ابھی تک موجود ہے' یعنی جسے کسی نے تبدیل نہیں کیا' لیکن جس پر نہ عمل ہوا' نہ اس کے مطابق الیکشن قواعد بنے' نہ الیکشن کمیشن نے اس کا خیال رکھا اور نہ سیاسی جماعتوں کے قانون میں اس کو جگہ دی گئی۔ آیئے دیکھیں' یہ فیصلہ کیا ہے اور کیا کہتا ہے۔ نیز یہ بھی دیکھیں کہ دوسرے ملکوں میں آئین کے اندر اس کو کیسے حل کیا جاتا ہے اور ہمارا اتفاق رائے سے منظور کردہ آئین اس میں کیا کہتا ہے اور اس پر کیوں عمل نہیں ہوا' جس کا خمیازہ آج ہم سب بھگت رہے ہیں اور آئندہ بھی بھگتیں گے۔

1947ء میں پاکستان کی آئین ساز اسمبلی میں رکنیت کا حلف اٹھاتے ہوئے

قوم اور قومیت کی بحث پر سپریم کورٹ کا تاریخی فیصلہ

قارئین کرام! بحث کو آگے بڑھاتے ہوئے، یہ کہنا ضروری سمجھتا ہوں کہ سارے صوبے، میرے صوبے اور سارا ملک، میرا ملک ہے۔ مجھے صوبہ سرحد سے کوئی بغض نہیں ہے، جو میرے نزدیک حریت پسندوں، بہادروں، مہمان نوازوں اور دینِ اسلام سے محبت رکھنے والے لوگوں کا صوبہ ہے اور اللہ شاہد ہے کہ خان غفار خان سے ولی خان تک مجھے کسی سے کوئی دشمن نہیں۔ یہ بھی غلط ہے کہ میں کسی کے کہنے پر یہ سب لکھ رہا ہوں، حوالے تلاش کر رہا ہوں، کتابیں پڑھ رہا ہوں، نمونے تلاش کر رہا ہوں۔ میں اس مزاج کا آدمی نہیں ہوں کہ کوئی حکومت، کوئی سیاسی جماعت یا گروہ مجھے یا میرے قلم کو اپنی مرضی کے مطابق لکھنے پر مجبور کر سکے۔ صوبہ سرحد سے مجھے بہت سے خطوط ملے ہیں۔ ان میں تعریف کے بھی ہیں، مذمت کے بھی۔ مجھے ان سب کی رائے کا احترام ہے۔ ہوسکتا ہے کہ میری سوچ میں کوئی غلطی ہو۔ ایسا ہے تو میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ مجھے سیدھا راستہ دکھائے۔ لیکن اس کی ذات جانتی ہے کہ میری نیت نیک ہے۔ کاش جناب ولی خان یہ راستہ اختیار نہ کرتے، کاش عبدالغفار خان قیام پاکستان کے بعد، جب یہ کہہ چکے تھے کہ اب پاکستان بن گیا ہے، لہٰذا یہ بھی کہتے کہ ہم اس کے خلاف کوئی کام نہیں کریں گے، تو وہ اپنے اس عہد پر قائم رہتے، کاش ولی خان صاحب اتحادوں کی سیاست میں آ کر جتنے "سافٹ" ہو جاتے تھے، سیاسی ضرورت پوری ہونے کے بعد بھی پاکستان اور بانی پاکستان کی طرف سے اپنا ہاتھ کچھ "ہولا" ہی رکھتے۔ پاکستان کو انگریز کی سازش اور بانی پاکستان کو انگریز کا ایجنٹ ثابت کرنے پر ایڑی چوٹی کا زور نہ لگاتے۔ یہ نہ

کہتے کہ ہمارا یہ راستہ، تمہارا وہ راستہ۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ بار بار اندر چھپی ہوئی نفرت باہر آتی ہے۔ ہم ثابت کر سکتے ہیں کہ کس طرح ان حضرات نے بار بار اپنا موقف بدلا اور کیونکر پاکستان اور اس کے خالق سے محبت رکھنے والوں کو ان کے خلاف مورچہ لگانا پڑا۔ قارئین! یقین جانیں کہ اب نوبت یہاں تک آ گئی ہے کہ ایک بار وہ سب کچھ سامنے لانے کی ضرورت ہے، جس پر وقت کی گرد جم چکی ہے۔ اور میں نے گزشتہ دنوں لاہور ہی سے کم و بیش چالیس ہزار روپے کی کتابیں خریدی ہیں۔ دبئی کے راستے بھارت سے کچھ کتابیں اور آ رہی ہیں، پشاور سے بھی کتابیں اور تحریری مواد منگوایا ہے۔ میں نے اپنی زندگی میں اتنا کبھی نہیں پڑھا، جتنا پچھلے دو ہفتوں سے پڑھ رہا ہوں۔ میں نے لاہور کی لائبریریوں کو کھنگالا ہے، جو کتاب ایشو نہیں ہو سکتی تھی، اس کے فوٹوسٹیٹ کروائے ہیں۔ ان کتابوں کو پڑھنے، ان پر نشان لگانے اور متعلقہ حصے تلاش کرنے کے کام میں میرے ساتھ دفتر کے متعدد کولیگ شامل ہیں اور اس تگ و دو کا مقصد یہ ہے کہ پاکستان میں بزعم خود ''قوم پرست'' تحریکوں، جماعتوں، گروپوں اور افراد کے ماضی اور حال کا جائزہ لیا جائے، ان اسباب کا کھوج لگایا جائے، جو انہیں یہاں تک پہنچانے کا باعث بنے، ان عزام تک پہنچنے کی کوشش کی جائے، جو سینوں کے اندر مچل رہے ہیں اور وقتاً فوقتاً باہر نکل آتے ہیں، یا پھر کہیں سے اشارہ ہوتا ہے، یا ''مرکز'' نظر آنے لگتا ہے تو فتنوں کی شکل میں سر اٹھاتے ہیں۔ آئین کے ان حصوں کو تلاش کیا جائے، جن پر عملدر آمد نہ ہونے کے باعث ہم اس حال کو پہنچے۔

قارئین، یہ تحریریں جیسا کہ بظاہر دکھائی دیتی ہیں، کسی کے خلاف نہیں، کسی سازش کا حصہ نہیں۔ سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش ہے۔ ہاں ان سب کے پس پشت ایک ہی جذبہ کارفرما ہے۔ یہ میرا ملک ہے جناب، اسے باہر سے جتنے خطرات ہوں، اگر ہم اندر سے متحد ہیں تو کوئی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ لیکن خدانخواستہ اگر اس کے اندر سے نقب زنی شروع ہو گئی تو پھر جغرافیہ بھی بدل سکتا ہے اور تاریخ کے منہ پر کالک بھی مل جا سکتی ہے۔

قارئین محترم! میرے پاس کہنے کے لیے بہت کچھ ہے مگر پہلے میں یہ بیان کر دوں کہ میرے یہ نظریات آج کے نہیں۔ ان کا پشاور میں ولی خان کی تقریر سے کوئی تعلق نہیں، سوائے اس تعلق کے کہ اس تقریر سے دکھ پہنچا اور یوں لگا کہ وہ جو ایک بند تھا، وہ ٹوٹ گیا،

آنکھیں بھر آئیں اور پھر دل کا درد قلم سے ٹپک پڑا۔ ''جمعہ بخیر'' میرے کالموں کا مجموعہ ہے، جس میں ''جنگ''، ''نوائے وقت''، ''پاکستان'' اور ''خبریں'' میں برس ہا برس پہلے چھپنے والے کالموں کا انتخاب شامل ہے۔ اس کا ایک کالم ہے، جس کا عنوان ہے:

"FIGHT" FIGHT AGAIN"

شاید کراچی کے ہنگاموں کے حوالے سے لکھا گیا تھا۔ وہاں بھی دین اسلام کے بجائے زبان اور نسل کی بنیاد پر ڈویژن ہوئی اور پھر لوگ آپس میں ایک دوسرے کا خون بہانے لگے۔ ملاحظہ کریں:

1990ء کی ایک تحریر

''قارئین! ہم ہمیشہ کہتے آئے ہیں کہ ہمارے قومی شاعر علامہ اقبالؒ تھے۔ انہوں نے دوقومی نظریئے کے خدوخال واضح طور پر پیش کیے۔ وہی تھے، جنہوں نے کہا کہ برصغیر میں مسلمانوں کو الگ تشخص چاہیے، انہوں نے ہی مسلم اکثریتی علاقوں پر مشتمل الگ ریاست کا خواب دیکھا تھا۔ اس خواب میں رنگ بھرنے کے لئے ان کی کیا خوب نگاہ تھی، جس نے محمد علی جناح کو منتخب کیا، جو دلبرداشتہ ہوکر انگلستان میں جا بیٹھے تھے۔ پھر جناح آئے اور قائداعظمؒ بن گئے۔ انہوں نے مسلمانوں کے لئے الگ ریاست حاصل کر لی، پاکستان بن گیا۔

لیکن کیا صرف کرۂ ارض پر ایک جگہ، مخصوص جغرافیائی حدود کے اندر ایک ''وطن'' بنانا علامہ مرحوم کی آخری خواہش تھی؟ جی نہیں، برصغیر کے مسلمانوں کے لیے علیحدہ وطن کا نسخہ، دراصل انہیں ہندو استعمار سے بچانے کی کوشش تھا، وگرنہ ''وطنیت'' کے بارے میں علامہ کے جذبات یکسر مختلف تھے۔ آیئے دیکھیں ''وطنیت'' کے عنوان سے وہ کیا کہتے ہیں۔ ایک ایک شعر، ایک ایک مصرع، ایک ایک لفظ...... غور سے پڑھ لیجئے:

اس دور میں مے اور ہے، جام اور ہے، جم اور
ساقی نے بنا کی روشِ لُطف و ستم اور
مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور
تہذیب کے آذر نے ترشوائے صنم اور

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے، وہ مذہب کا کفن ہے

☆......☆......☆

یہ بہت کہ تراشیدۂ تہذیبِ نوی ہے
غارت گرِ کاشانۂ دینِ نبویؐ ہے
بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام ترا دیس ہے، تو مصطفویؐ ہے
نظارۂ دیرینہ زمانے کو دکھا دے
اے مصطفویؐ خاک میں اس بُت کو ملا دے

☆......☆......☆

ہو قید مقامی تو نتیجہ ہے تباہی
رہ بحر میں آزاد وطن صُورتِ ماہی
ہے ترکِ وطن سُنتِ محبُوبِؐ الٰہی
دے تو بھی نبوت کی صداقت پہ گواہی
گفتارِ سیاست میں وطن اور ہی کچھ ہے
ارشادِ نبوت میں وطن اور ہی کچھ ہے

☆......☆......☆

اقوامِ جہاں میں ہے رقابت تو اسی سے
تسخیر ہے مقصُودِ تجارت تو اسی سے
خالی ہے صداقت سے سیاست تو اسی سے
کمزور کا گھر ہوتا ہے غارت تو اسی سے
اقوام میں مخلوقِ خدا بٹتی ہے اس سے
قومیتِ اسلام کی جڑ کٹتی ہے اس سے

☆......☆......☆

گویا اقبال مسلمانوں کی ایک ریاست سے، جو برصغیر کے مسلمانوں کی نجات کے لئے بنانی تھی، کہیں اوپر جا کر پان اسلام ازم کے تصور کے حامی تھے۔ آج دنیا کے نقشے پر دیکھیں تو مسلمان ملکوں نے کتنی بڑی جگہ گھیری ہوئی ہے، لیکن اگر سیاسی، مالی اور دفاعی طاقت کا اندازہ کریں، تو ہر ملک کس بری طرح غیر مسلم استعمار، سپر طاقتوں کے چنگل میں جکڑا ہوا ہے۔ احیائے اسلام کی تحریکوں کے خلاف تو کیا روسی، کیا امریکی سبھی ذہن آپس میں مل جاتے ہیں اور اسے بنیاد پرستی کا نام دیتے ہیں، ہاں اپنی اپنی ضرورتوں کے مطابق ان میں سے ہر ایک کسی نہ کسی مسلمان ملک کا ''گاڈ فادر'' بنا ہوا ہے۔

قارئین محترم! علامہ کے اشعار و افکار ہوں یا بانی پاکستان کی تقاریر اور بیانات، پاکستان کو مثالی فلاحی مملکت بنا کر اصل سفر اس سے آگے کا تھا۔

عالمِ اسلام کو قریب تر لانے کا۔

مسلمانوں کو جو کچھ زمین کے اوپر ہے اور جو اس کے اندر ہے، اس کا حقیقی مالک بنانے کا۔

پھر مسلمانوں سے بھی آگے جا کر پوری دنیا کے ممالک کو یہ سبق دینے کا کہ ہم مسلمان ہیں، بنی نوع انسان کے لئے محبت اور بھائی چارے کا پیغام رکھتے ہیں۔

بھوک، افلاس، لڑائی، جھگڑا، عدم مساوات، ظلم و تعدی، غرض وہ سب مسائل جن کے لئے تم تاریکی میں بھٹکتے پھرتے ہو، یہ دیکھو! ہم نے ان کا حل تلاش کر لیا۔

ہمارے رحمۃ اللعالمینؐ نے اس کے بنیادی اصول ہمیں بتا دیئے تھے۔

ہم نے ہر علاقہ اور ہر عہد کی ضرورت کے تحت اپنے لئے نظام وضع کئے، آئین بنائے، قوانین ساخت کئے اور آدمی کی نجات کے لئے فلاحی ریاست بنا کر دکھا دی۔

یہ کام تھا، جس کے لئے علامہ نے الگ وطن حاصل کرنے کے مطالبہ کے باوجود ''وطنیت'' کے سیاسی تصور کی مخالفت میں مندرجہ بالا شعر کہے تھے، وہ تو پاکستان کی جغرافیائی حدود سے بھی پاکستانی مسلمان کو اوپر لے جانا چاہتے تھے۔

لیکن ہم کہاں کھڑے ہیں؟ آج ہمیں کسی مشکل کا سامنا ہے؟

پہلے مشرقی پاکستان گیا، پھر صوبوں میں جنگ شروع ہوئی، آخر میں ایک شہر کراچی

کے گلی کوچوں میں بھی مختلف گروہوں کے ہاتھوں ایک دوسرے کا قتل عام ہوا۔

اِنّا للہ و اِنّا اِلیہ رَاجعُوْن.

وہ قومیں جو دنیاوی ترقی کی معراج پر ہیں، ملٹی نیشنل ازم کی طرف جا رہی ہیں، کو آپریٹوز کو اپنا رہی ہیں، پوری دنیا پر حکمرانی کر رہی ہیں۔

ہم ایک ایک میدان میں، ایک ایک شعبہ میں اختلافی پہلو تلاش کر رہے ہیں۔

جو نہیں چاہتے تھے کہ وطن بنا کر ہم وطنیت کے تصور سے بھی اوپر اٹھیں، ہمیں ایک دوسرے سے لڑوا رہے ہیں۔

ہماری قیادتیں پہلے انتہا پسندانہ اور رنگ، زبان، نسل یا صوبے کی عصبیت کے نعروں پر لوگوں کو جمع کرتی ہیں، اشتعال دلاتی ہیں، اکساتی ہیں۔

پھر ان کی قیدی بن کر رہ جاتی ہیں۔

لیڈر لیڈ کرنے کے بجائے لیڈ ہونے لگتا ہے۔

مجیب پہلے بنگلہ بندھو بنتا ہے، پھر اپنے نعروں کا قیدی اور آخر میں اپنے ہی لوگوں کے ہاتھوں قتل ہو جاتا ہے۔

نفرت کا پودا کاشت کرنے والا، خود اس پودے کے درخت بننے کے بعد کیوں کر بچ سکتا ہے۔

ہم چن چن کر اختلافی پہلو نمایاں کرتے ہیں۔

نسل کا اختلاف، رنگ کا، عقیدے کا، زبان کا، ذات برادری کا، صوبے کی سرحد کا۔

ہمارے دل ایک دوسرے سے کٹے ہوئے ہیں۔

ہمارے ذہن ایک دوسرے سے دور ہو رہے ہیں۔

جو چار صوبوں کے وفاق میں نہیں رہ سکتے، ان کا خیال ہے کہ 22 صوبوں کے بھارت کے ساتھ ان کا گزارہ ہو جائے گا۔

مارو، ایک دوسرے پر کاری ضرب لگاؤ۔

جلتی آگ میں بچوں کو پھینکنے کا تماشا دیکھو۔

پنجابی بچہ کیسے جلتا ہے۔

پٹھان بچے کے حلق سے کیسے چیخیں نکلتی ہیں۔
مہاجر بچے کی ہڈیاں شعلوں کی نذر ہوتی ہیں تو کیونکر چیختی ہیں۔
بلوچ کا بہتا ہوا خون کیا نظارہ پیش کرتا ہے۔
سندھی کے گلے سے بوقت مرگ کیسی آوازیں نکلتی ہیں۔
سب دیکھو! ساری آوازیں سنو!
آج علامہؒ زندہ ہوتے، توان کا دل پھٹ جاتا۔
آج قائدؒ زندہ ہوتے، تو رنج اور غصے میں شاید اپنے بال نوچ لیتے۔ اچھا ہوا، وہ دونوں رخصت ہوگئے، چلے گئے۔ اور بھی بہت سے چلے گئے۔
آؤ! ہم اپنا کام آگے بڑھائیں، وہ الف کو مارتے ہیں، ہم سب کو ماریں۔
اجتماعی خودکشی کا اس سے بہتر طریقہ اور کیا ہوگا؟

☆......☆......☆

قارئین محترم! کالم 1990ء میں لکھا گیا تھا۔ شاید روزنامہ ''نوائے وقت'' میں چھپا تھا، اور میری کتاب ''جمعہ بخیر'' میں موجود ہے۔
اور اس سے بھی پہلے قوم کیا ہے، قومیتیں کیا؟ ان اصطلاحوں کو کون کس طرح استعمال کر رہا ہے، اس موضوع پر پاکستان کی سپریم کورٹ نے ایک تاریخی فیصلہ دیا تھا۔ سن ہے: 1975ء۔ مقام: اسلام آباد۔ مقدمہ ہے: اسلامی جمہوریہ پاکستان بنام عبدالولی خان، صدر کالعدم نیشنل عوامی پارٹی (نیپ)۔ ججوں کے نام ہیں، چیف جسٹس جسٹس حمود الرحمان، جسٹس محمد یعقوب علی، جسٹس صلاح الدین احمد، جسٹس انوار الحق، جسٹس محمد گل اور جسٹس افضل چیمہ۔ اس مقدمے میں جسٹس محمد گل نے بطور خاص الگ فیصلہ دیا، جس کا اُردو ترجمہ حسب ذیل ہے:

سپریم کورٹ نے کہا تھا

قارئین کرام! جسٹس محمد گل نے نیپ پر پابندی کے حوالے سے تفصیلی فیصلے کے ساتھ اپنے الگ نوٹ میں قوم اور قومیتوں کے مسئلے پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا: قوم (Nation) اور قومیت (Nationality) کے الفاظ عام طور پر متبادل کے ضمن میں استعمال کئے جاتے رہے ہیں۔ Nation اور اس کی اضافت Nationality کا مادہ Naio لاطینی کا لفظ ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ جن لوگوں کا ''جد'' ایک ہو۔ لیکن نسل Race اور قوم Nation قطعی طور پر دو مختلف اصطلاحیں ہیں۔ بہر حال، جدید زمانے میں کسی بھی قوم کی طرف سے یہ دعویٰ کہ اس کے خون میں کوئی ملاوٹ نہیں، ایک دلچسپ دعویٰ ہی خیال کیا جا سکتا ہے۔ امریکی آبادی مختلف نسب کی بہت سی نسلوں پر مشتمل ہے، لیکن اس کے باوجود تمام امریکی ایک قوم ہیں۔ سوئس آبادی کا معاملہ زیادہ قابل غور ہے، جو نہ تو ایک زبان بولتے ہیں اور نہ ان کا مذہب ایک ہے۔ وہ نسبی اعتبار سے فرانسیسی، اطالوی اور جرمن ہیں۔ تاہم وہ ایک قوم ہیں۔ اس اعتبار سے ہم اپنی گفتگو میں جرمن قومیت، فرانسیسی قومیت، سوئس قومیت اور پھر پاکستانی قومیت کا ذکر کرتے ہیں، اور اس کے حقیقی مفہوم سے پوری طرح آگاہ ہیں۔ یہی دراصل قوم اور قومیت کا سیاسی مفہوم کہلاتا ہے۔ اس مفہوم کی پیروی کرتے ہوئے جدید ریاستوں کے قوانین ایک ایسے فرد کو شہریت کا پروانہ عطا کر دیتے ہیں، جس کا اجنبی ملک کے باسیوں سے نہ تو کوئی خونی تعلق ہوتا ہے، اور نہ وہ اس ملک کے کثیر حصے سے کوئی تعلق رکھتا ہے۔ وطن بنانے کے عمل میں ثقافت یا لسانی رشتہ کوئی شرط نہیں ہے۔ ثقافت اور زبان کا فرق سماجی گروہوں کی تشکیل کا باعث بنتا ہے، جو سیاسی سرحدوں سے ماورا ہوتے ہیں۔ اس مفہوم کے تحت ''قومیت'' کا مطلب یہ ہوا کہ ریاست کے برعکس اس کی زیادہ وابستگی لوگوں سے ہوتی ہے۔ ٹھوس معنوں میں یہی ''قومیت'' ہے۔

قومیت کے سابق تصور کے مطابق، سوئس قومیت خالصتاً سوئس ریاست کی رکنیت سے وابستہ ہوگی۔ اس تصور کے مطابق، ہر سوئس شہری جرمن، فرانسیسی اور اطالوی شہریت بھی رکھتا ہے۔ لیکن یہ سیاسی ماہرین نظریات کا تصور ہے۔ پاکستان کی حدود میں رہتے ہوئے ہمیں

ابھی اس کے بارے میں غور کرنا ہے۔

سپریم کورٹ نے عاصمہ جیلانی کیس پی ایل ڈی 1972ء ایس سی 139 میں اس طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ عدالتیں سیاسی نظریات کی بنیاد پر فیصلے نہیں کرتیں۔ مقدمات کے فیصلے قانون کے مطابق کیئے جاتے ہیں، یا ان کی بنیاد پر قانون کے تسلیم شدہ ضوابط بنتے ہیں، جنہیں اعلیٰ عدالتوں نے نافذ کر دیا ہو۔

دوم: قومیت کا تعین میونسپل قانون کے تحت کیا جاتا ہے اور ہمارے کیس میں پاکستان سٹیزن شپ ایکٹ 1957ء لاگو ہوتا ہے۔ بارکر کی تعریف زیادہ حقیقی اور بامعنی ہے۔ اس کے مطابق قوم ایسے لوگوں کا مجموعہ ہے، جو ایک واضح اور تسلیم شدہ علاقے میں رہتی ہو، اور ایک مشترکہ زمین پر رہتے ہوئے زندگی کی بنیادی ضرورتوں نے انہیں یکجا کر دیا ہو۔ ان کا تعلق مختلف نسلوں سے ہوسکتا ہے۔ لیکن ان میں ایک جذبہ مشترکہ پایا جاتا ہے کہ وہ مستقبل کے لئے آزادانہ اور بغیر کسی روک ٹوک کے اکٹھے رہیں گے۔

تاریخی اعتبار سے لوگوں کا وہ گروہ جو قوم بنتا ہے، ضروری نہیں کہ وہ لسانی اور نسلی اعتبار سے ایک کمیونٹی ہوں۔ یہ تو مشترکہ ضمیر کے احساسات و جذبات کا عمل ہے۔ متعلقہ مقصد کے تحت معاصرانہ تاریخ ہمارے سامنے یہ حقیقت لاتی ہے کہ تقسیم ہند سے قبل کے مسلمانوں نے اکثریتی طور پر اپنے ایک ہونے کا اظہار کیا۔ قطع نظر اس کے کہ ان کا کسی انتظامی یونٹ (صوبہ) سے تعلق تھا، اور یہ کہ لسانی اور سماجی بنیادوں پر ان میں کتنا ہی بُعد کیوں نہ تھا۔ اس طرح ایک جمہوری عمل کے تحت پاکستان کی تشکیل معرض عمل میں آئی، جسے بعدازاں انڈی پینڈنس ایکٹ 1947ء نے قانونی حیثیت عطا کر دی۔

یوں برٹش انڈیا میں دو جانشین ریاستیں وقوع پذیر ہوئیں، جن میں صوبوں کا وجود ایک اظہار تھا۔ جغرافیائی اعتبار سے یہ ملک دو حصوں میں منقسم تھا، جسے (مشرقی و مغربی) پاکستان کہا گیا۔ اکائی کے مشترکہ احساسات کے باوصف صوبائی انتظامیہ کے تصور کو روکے رکھا گیا۔ اس کی وجہ گروہی یا نسلی تفرقہ نہیں تھا، بلکہ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ جب برٹش کراؤن نے 1858ء میں برٹش ایسٹ انڈین کمپنی نے انتظامی معاملات اپنے ہاتھ میں لے لئے، یہ صوبے اس وقت بھی کسی نہ کسی شکل میں موجود تھے۔ یہ حقیقت بھی پیش نگاہ ہوسکتی ہے کہ ان صوبوں کو

مسلسل پہلے کی مانند اس لئے رہنے دیا گیا ہو، کیونکہ ان میں مختلف لوگ آباد تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ وہ علاقہ جواب شمال مغربی صوبہ سرحد کہلاتا ہے، 1901ء تک اس وقت کے صوبہ پنجاب کا ایک حصہ تھا۔ اسی طرح گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935ء کے نفاذ کے آغاز تک صوبہ سندھ بمبئی پریذیڈنسی کا جزو تھا۔ یہ بات کہنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ شمال مغربی صوبہ سرحد کو کلی طور پر اس لئے پنجاب سے علیحدہ کیا گیا تھا، کیونکہ اس کے زیادہ تر علاقے سوویت یونین کے قریب تر آ گئے تھے۔ اس اہمیت کے پس منظر میں ایسا کرنا فوجی اور سیاسی نقطہ نظر سے ازبس ضروری ہو گیا تھا۔ این ڈبلیو ایف پی (سرحد) کو پنجاب سے اس لئے علیحدہ نہیں کیا گیا تھا کہ سرحد میں ایک علیحدہ نسل اور گروہ کے لوگ رہائش پذیر ہیں، اسی طرح سندھ کو بمبئی پریذیڈنسی سے اس لئے جدا نہیں کیا گیا تھا کہ سندھ کے رہائشی ٹھوس معنوں میں بمبئی پریذیڈنسی کے رہائشیوں سے قومیت کے اعتبار سے مختلف تھے، جبکہ اس کی وجہ اس علاقے میں مسلمانوں کی اکثریت تھی۔

قانونی معنوں میں ''قومیت'' (Nationality) اور ''شہریت'' (Citizenship) کے الفاظ مترادف ہیں۔ پاکستان سٹیزن شپ ایکٹ 1957ء کے تحت، قومیت پاکستان کی بنیادوں پر تسلیم کی جاتی ہے، نہ کہ صوبے کی بنیاد پر۔ صوبے کا ڈومیسائل صوبے میں مفید ہو سکتا ہے، مگر قوم کا تعلق بہرحال پورے ملک سے ہوگا، نہ کہ کسی صوبے سے۔

ایک بار پھر اگر ہم برصغیر کے آئینی ارتقا (جس کا آغاز 1858ء سے برٹش کراؤن کے برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی سے انتظامیہ کی باگ ڈور سنبھالنے سے ہوتا ہے) کا جائزہ لیں، تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ 1935ء کے آئینی ایکٹ کے آغاز تک، ہندوستان کی حکومت طرز وحدانی کا ایک نمونہ تھی اور طاقت اور اقتدار کا محور، مرکز تھا۔ یہ درست ہے کہ صوبے موجود تھے، لیکن ان کی آئینی حیثیت و وقعت آج کے صوبوں کے مانند نہیں تھی۔ برطانوی ہند کی صوبائی حکومتیں تقریباً مرکزی حکومت کے ایجنٹ کی حیثیت میں امپیریل گورنمنٹ کے زیر نگیں کام کرتی تھیں اور گورنر جنرل کے سامنے جوابدہ تھیں، جب کہ گورنر جنرل ہندوستان کے سیکرٹری آف سٹیٹ اور سیکرٹری آف سٹیٹ برٹش پارلیمنٹ کے سامنے جوابدہ تھا، حتیٰ کہ 9-1908ء میں جب پہلی مرتبہ اور پھر 1919ء میں ہندوستان میں مرکزی حکومت کے اختیارات تقسیم کرنے کا

اصول متعارف کروایا گیا، تب بھی صوبوں کی حیثیت تقریباً پہلے کے مانند ہی رہی۔

حکومت ہند کے 1935ء کے ایکٹ کے تحت پہلی بار جب صوبوں کو نیم خودمختاری دی گئی، مگر یہ اختیار انتہائی خصوصی مواقع کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ ان سب آئینی تبدیلیوں کے دوران، تمام صوبوں کے رہائشی مسلسل اور بدستور برٹش انڈیا کی رعایا تسلیم ہوتے رہے۔

اس آئینی تاریخ کے پس منظر کے بالمقابل، یہ مطالبہ بے محل اور بے موقع نظر آتا ہے کہ علیحدہ صوبوں میں رہنے والوں کو ایک علیحدہ قومیت تسلیم کیا جائے۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے کہ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1858ء کے تحت، حکومت نہ صرف ایک اکائی کی حیثیت میں کام کر رہی تھی، بلکہ مرکزی حکومت کے ہاتھوں میں عاملانہ اختیارات کا سارا ارتکاز تھا۔ پھر آہستہ آہستہ 1935ء کے آئینی ایکٹ کے تحت صوبوں کو محدود خودمختاری دی گئی۔ یہی طریقہ انڈین انڈی پینڈنس ایکٹ کے تحت متعلقہ معاملات میں جاری رکھا گیا۔ ہمارے کیس میں صوبوں کو کبھی خوداختیار نوآبادیات کا درجہ نہیں دیا گیا۔

ملک کی آئینی تاریخ اور پاکستان کے طرزِ حکومت اور نظامِ سیاست کا جائزہ لینے کے بعد، یہ نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے کہ اگر کوئی ملک کے مختلف صوبوں میں رہنے والے شہریوں کے لئے مختلف صوبوں میں رہائش اختیار کرنے کی بنیاد پر علیحدہ قومیت کا مطالبہ کرتا ہے، تو یہ مطالبہ قطعی طور پر غیر حقیقی ہے۔ علیحدہ قومیت کے شرانگیز مطالبے کا مطلب یہ ہے کہ پاکستان کو مزید توڑ دیا جائے۔

جناب صدر اور وزیر اعظم سے ایک سوال

قارئین محترم! آپ نے جسٹس محمد گل کا فیصلہ پڑھا۔ یہ سپریم کورٹ نے 30 اکتوبر 1975ء میں دیا تھا اور پی ایل ڈی 1976ء میں محفوظ ہے۔ قانون کے مطابق یہ فیصلہ آج بھی لاگو ہے اور دلچسپ بات یہ ہے کہ پاکستان ایک قوم کا ملک ہے اور کسی بھی صوبے میں محض رہائش اختیار کرنے کی بنا پر کسی کا علیحدہ قومیت کا مطالبہ کرنا قطعی طور پر غیر حقیقی ہے اور علیحدہ قومیت کے شرانگیز مطالبے کا مطلب یہ ہے کہ پاکستان کو مزید توڑ دیا جائے۔

سچ تو یہ ہے کہ ہم بدقسمت لوگ ہیں۔
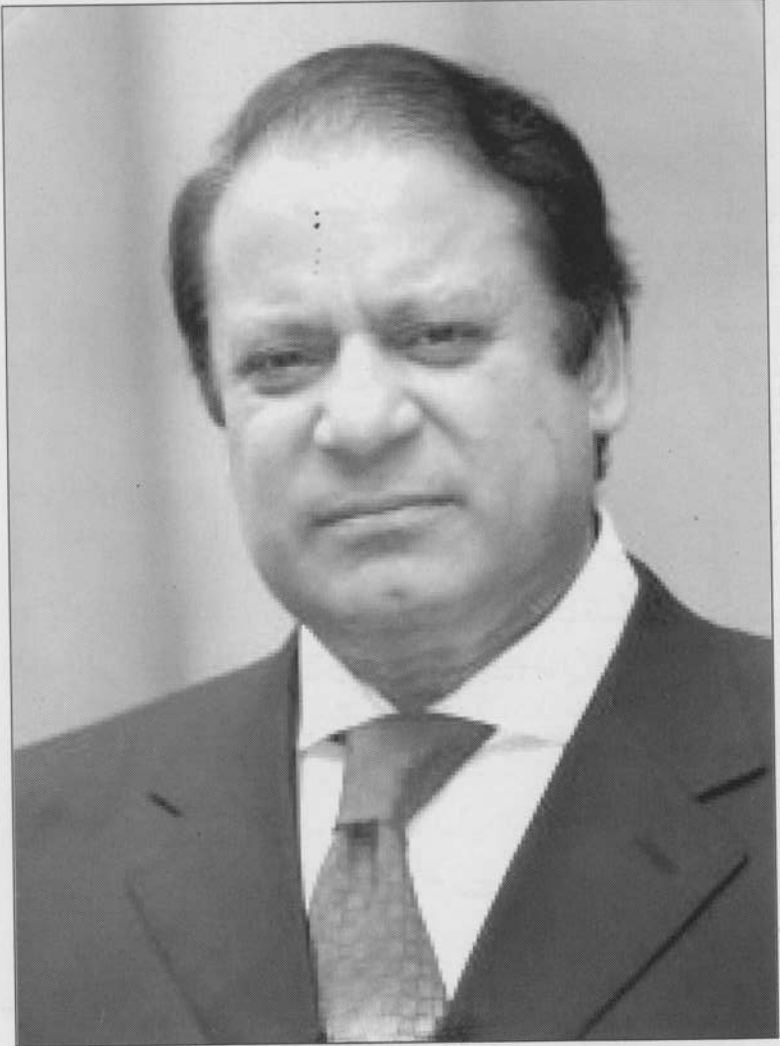
محمد نواز شریف

نہ آئین کو مانتے ہیں نہ قانون کو۔

نہ عدالت کو نہ اس کے فیصلوں کو، ورنہ اس فیصلے کی رو سے کوئی صوبہ الگ قوم یا قومیت کا مطالبہ کرسکتا تھا؟

کیا قوم پرست پارٹیاں الیکشن لڑسکتی تھیں؟

کیا کسی صوبے سے یہ آواز بلند کی جاسکتی ہے کہ باہر سے آنے والا جو نسل اور زبان کے حوالے سے ہم جیسا ہے یہ اس کی زمین ہے اور جو پنجاب سے آیا ہے وہ مہاجر ہے۔

اور کیا اس قسم کی غیر آئینی اور غیر قانونی تقریر برسر عام کرنے والے سے پاکستان کا وزیر داخلہ ہیلی کاپٹر پر سوار ہو کر ملنے جاسکتا تھا۔

اور کیا ملک کا وزیر اعظم جو قائد اعظمؒ کی وارث جماعت کا سربراہ بھی ہے ایسے شخص کو ملنے جاسکتا تھا جس نے حسب ذیل ہدایات کی خلاف ورزی کی ہو۔

1- قرآن پاک کی اس آیت کی خلاف ورزی کی ہو کہ:

''اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑلو تا کہ الگ الگ نہ ہو جاؤ''

2- حدیث رسول مقبولؐ کے ان اقوال مبارکہ کو پس پشت ڈال دیا ہو کہ:

''تم میں سے کسی عجمی کو عربی پر اور عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں سوائے تقویٰ کے۔''

اور یہ کہ ''تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں''۔

3- آئین پاکستان کے پہلے ہی آرٹیکل کی خلاف ورزی کی ہو، پاکستان کے علاقے مندرجہ ذیل پر مشتمل ہوں گے۔

4- آئین پاکستان کو تبدیل کرنے کے لئے آرٹیکل 239 کے تحت قومی اسمبلی یا سینٹ میں دو تہائی اکثریت سے بل منظور نہ کروایا ہو اور جس ایوان میں بل منظور ہوا ہو، اسے دوسرے ایوان میں پیش کر کے وہاں سے بھی دو تہائی اکثریت سے منظور کروانے کے بعد اور صدر سے حتمی منظوری لینے کے بعد آئین میں صوبے کا نام نہ بدلا ہو بلکہ صوبائی اسمبلی میں قرارداد منظور کروا کے جلسہ عام میں اعلان کر دیا ہو کہ نام تو تبدیل ہو چکا اب اگلی بات کرو۔ یعنی ہماری قوم کے حقوق ہمیں دو۔

جناب صدر، جناب وزیر اعظم، جناب چیف جسٹس سپریم کورٹ، جناب چیف آف

آرمی سٹاف، جناب وفاقی وزیر قانون، جناب وفاقی وزیر داخلہ!

کیا آئین میں تبدیلی کرنے کا یہی انداز اور طریقہ آپ دوسرے صوبوں کے لیڈروں کو بھی دیں گے؟

کیا سپریم کورٹ کے اس فیصلے کے بعد جس کا متن اوپر دیا گیا قوم پرست پارٹیاں بنانے کا حق دیا جا سکتا ہے، انہیں الیکشن میں الگ نشان دیا جا سکتا ہے، چیف الیکشن کمشنر صاحب، آپ بھی جواب دیں۔

پختونخوا......انگریز کی سازش غفار خاں کا منصوبہ اور ولی خان کا خواب

قارئین کرام! چند روز تک لاہور سے باہر رہنے کے سبب یہ سلسلہ مضامین جاری نہ رکھ سکا، جس کا سبب یہ تھا کہ میری ساری کتابیں اور حوالہ جات کے رسائل و اخبارات لاہور میں تھے، تاہم آج دوبارہ لکھنے کے لئے قلم اٹھایا تاکہ جو ضروری مواد میں نے جمع کیا ہے اسے کاغذ پر منتقل کر دوں تو ملک معراج خالد (سابق وزیراعظم) میرے دو اور دوستوں محمد علی درانی (پاسبان والے) اور سابق سینیٹر طارق چودھری آ گئے۔

ملک صاحب کا خیال تھا کہ پختونخوا کے پردے میں علیحدگی کی حد تک ولی خان اور ان کے ساتھیوں کو ''ایکسپوز'' کرنے میں ''خبریں'' کا رول اور میری تحریریں قابل قدر ہیں لیکن بقول ان کے اس پوری ''مہم'' کا ایک نتیجہ یہ بھی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ''خبریں'' اور آپ لوگ صوبائی خود مختاری کے خلاف اور مضبوط مرکز کے نام پر اختیارات کو ایک پارٹی یا فرد واحد کے ہاتھ میں مرتکز کرنے کے حامی ہیں جو جمہوریت کے بھی خلاف ہے اور وفاقیت کے بھی اور ظاہر ہے کہ پاکستان نہ تو جمہوریت کے بغیر چل سکتا ہے اور نہ وفاقیت کے۔

میں ملک معراج خالد کی بڑی عزت کرتا ہوں۔ میری ان سے نیاز مندی آج نہیں، 1970ء سے بھی پہلے سے قائم ہے۔ ہر دور میں ہر روپ میں ان سے ذاتی تعلق برقرار رہا۔ میں نے تفصیل کے ساتھ اپنی صفائی دی اور کہا کہ ملک صاحب، ہم ہرگز ہرگز صوبائی خود مختاری بالخصوص آئین پاکستان کے مطابق صوبوں کو دیئے جانے والے اختیارات کے خلاف نہیں اور رہی اختیار و اقتدار کی ایک پارٹی یا ایک فرد کے ہاتھوں میں ارتکاز کی حمایت کرنے کی بات تو ''خبریں'' کے بارے میں کسی بھی دور کے حکمرانوں کا رویہ دوستانہ نہیں، ناراضی کا ہی رہا اور آج بھی ہے۔ ''خبریں'' سے بھی پہلے (یعنی اس اخبار کے نکلنے سے بھی قبل) ہم لوگوں نے

حکمرانوں کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی۔ لیکن اگر ہماری تحریروں یا ''خبریں'' کی پاکستان سے محبت کی پالیسی سے موجودہ حکومت کو فائدہ پہنچا ہے تو اس میں کیا برائی ہے؟ اس امر سے قطع نظر کہ فائدہ پہنچا ہے یا نہیں، قائداعظمؒ کی وارث جماعت کے سربراہ جناب نواز شریف اتنا کچھ ہونے کے باوجود آئین شکن جناب ولی خان سے ملنے خود ان کے دولت خانے پر جا رہے ہیں۔ صرف اس خیال سے کہ حکومت کو فائدہ نہیں پہنچا چاہیے، ہم اس راستے سے کیسے ہٹ سکتے ہیں جو ہماری نظر میں پاکستان کی مضبوطی اور استحکام کا راستہ ہے۔

میں نے ملک معراج خالد سے کہا کاش ولی خان جذبات میں آ کر (یا کسی پلان کے تحت) اپنے حقیقی عزائم کا اظہار نہ کرتے۔ اگر وہ صرف آئین میں لکھے جانے والے صوبائی اختیارات کے نہ ملنے کی شکایت کرتے تو شاید ان کی حمایت میں ''خبریں'' سب سے آگے ہوتا۔ لیکن انہوں نے جو کچھ کہا وہ پاکستان کی سرحدوں سے باہر دیکھنے کے مترادف تھا۔ صوبائی خودمختاری کے نام پر علیحدگی یا ملک دشمنی کو قبول نہیں کیا جا سکتا۔ آج ولی خان صاحب کی بعض ساتھیوں کا کہنا ہے کہ صوبے کا نام پختونخوا رکھنے سے ان کی مراد ہرگز ملک دشمنی یا علیحدگی نہیں تھی۔ ہم پوچھتے ہیں کہ کیا واقعی؟ اگر یہ بات درست ہے تو ولی خان صاحب کا پشاور میں اپنی تقریر کے دوران یہ الفاظ ادا کرنے کا کیا مطلب ہے:

''اس جلسے نے تو پختونستان کا رخ اختیار کر لیا ہے''۔

قارئین خود فیصلہ کریں کہ کیا اس سے مراد پختونستان کے نام سے ایک علیحدہ مملکت کا مطالبہ نہیں تھا، جس کا آغاز ان کے والد عبدلغفار خان نے 1947ء میں اس مطالبے سے کیا تھا۔

ولی خان صاحب نے اپنی تقریر میں کہا کہ ''وہ سرخ ٹوپیوں کو سلام پیش کرتے ہیں۔''

کیا ولی خان صاحب نے ریڈ شرٹ مومنٹ (یا سرخ پوش تحریک) کی طرف اشارہ نہیں کیا تھا، جو خدائی خدمت گار تحریک کا دوسرا نام تھا اور جس کی قیادت خان عبدالغفار خان کر رہے تھے۔

جب ولی خان نے کہا کہ بابا دیکھ لو کہ یہ بہادر نوجوان جیسا کہ آپ کے ساتھ اٹھے تھے، آج ویسے ہی اس مقصد کے لئے اٹھے ہیں تو ان کا مقصد کیا تھا؟

کیا یہ بات تاریخ سے ثابت نہیں ہوتی کہ غفار خان یعنی ولی خاں کے والد، جن نوجوانوں کے ساتھ اٹھے تھے ان کا مقصد صوبائی خودمختاری نہیں تھا بلکہ آزاد پختونستان تھا۔

ولی خان صاحب غفار خان کی پاکستان مخالف تریک کی طرف اشارہ کر رہے تھے اور اپنے جلسے کے حاضرین سے یہ کہہ رہے تھے کہ وہ اس مقصد کے لئے پھر کھڑے ہو جائیں جس مقصد کے لئے ان کے والد نے تحریک پاکستان کی مخالفت کے وقت کوشش کی تھی۔

معزز قارئین! ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ایک لمحے کے لئے رک جائیں اور پیچھے مڑ کر قیام پاکستان کے وقت جناب غفار خاں کے طرز عمل پر نظر ڈالیں کہ وہ کیا مقصد تھا جس کے لئے سرحدی گاندھی نے 1947ء میں یا اس سے قبل آواز بلند کی اور اب 1998ء میں ولی خاں صاحب کس مقصد کی طرف نوجوانوں کو بلا رہے ہیں اور اس ''ادھورے مشن'' کی تکمیل کے لیے جدوجہد کا اعلان کر رہے ہیں۔

پختونستان یا انگریز کی سازش

کیا آزاد پختونستان کا شوشہ انگریزوں کی سازش تھی جسے کانگریس نے آگے بڑھایا اور خان عبدالغفار خاں اور ڈاکٹر خان صاحب کے ذریعے مطالبے کی شکل دی، مگر صوبہ سرحد کے مسلمانوں کی اکثریت نے اسے دھتکار دیا۔ اس سوال کا جواب تاریخی حقائق سے دیا جا سکتا ہے اور میں نے کوشش کی ہے کہ صرف ایسی کتابوں اور حوالوں سے ثبوت پیش کیے جائیں جنہیں جناب ولی خان صاحب خود بھی جھٹلا نہیں سکتے۔

قارئین محترم! برصغیر ہندو پاک کی تقسیم کے لیے انگریز نے اقتدار دو ملکوں کے حوالے کرنے کا جو اعلان کیا اس کے اہم نکات یہ تھے:

1- پنجاب اور بنگال دو دو حصوں میں تقسیم کر دیئے جائیں گے۔ مشرقی پنجاب اور مغربی بنگال بھارت میں شامل ہوں گے۔ مغربی پنجاب اور مشرقی بنگال پاکستان کے حصے میں آئیں گے۔

2- صوبہ سرحد اور آسام کے مسلم اکثریت والے علاقے سلہٹ میں ریفرنڈم کے

ذریعے عوام سے رائے لی جائے گی کہ وہ ہندوستان میں شامل ہونا چاہتے ہیں یا پاکستان میں۔

3- سندھ اسمبلی کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ اکثریت سے فیصلہ دے کہ ان کا صوبہ بھارت میں شامل ہونا چاہتا ہے یا پاکستان میں۔

4- بلوچستان میں یہ فیصلہ قبائلی سرداروں کا جرگہ کرے گا۔

5- بھارت اور پاکستان دونوں کی دو الگ الگ آئین ساز اسمبلیاں بنیں گی۔

سر اولف کیرو کی تجویز برائے پختونستان

اس موقع پر صوبہ سرحد کے گورنر سر اولف کیرو نے ایک خفیہ خط لکھا جو سر جے کول ویل کے نام تھا۔ یہ خط 22 مئی 1947 کو لکھا گیا۔ خط کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

(CONFIDENTIAL)

GOVERNOR'S CAMP

PARACHINAR

No. GH-58 22 MAY 1947

The interesting local development in the political field is that my Ministry and Abdul Ghaffar Khan have started propaganda on a theme which I advised them to take up some months ago: that of a Pathan National province under a coalition of possible and making its own alliance as may suit it. When I put it to them then they professed what amounted to fury at the mere suggestion. There is a good deal in the theme itself and the appeal is a far more constructive one than that of Islam in danger. The switch-over has probably come too late but to my mind it is a strength and not a weakness, that Pathanistan cannot subsist financially or otherwise on its own legs. The weakness is that the Pathans have

hitherto been too divided among themselves to set up a stable State, and where they have ruled as conquerors of alien populations. They themselves had always been in a state of anarchy right through history until we came and put them in order. (Afghanistan is not really a Pathan State at all)

(ترجمہ) خفیہ خط نمبر GH-58

گورنرز کیمپ پاراچنار 22 مئی 1947ء

''سیاست کے میدان میں ایک دلچسپ مقامی صورت حال پیدا ہوگئی ہے۔ یہ کہ سرحد کی وزارت (یعنی ڈاکٹر خان صاحب کی وزارت) اور خان عبدالغفار خاں نے اس نظریے کا پرچار شروع کر دیا ہے، جس کو اختیار کرنے کے لئے چند ماہ پیشتر میں نے ہی انہیں مشورہ دیا تھا۔ یہ نظریہ تھا کہ ایک پٹھان قومی صوبہ تشکیل دیا جائے، جس میں ممکن ہو تو مخلوط حکومت قائم کی جائے۔ پھر جس طرح اس صوبے کو اپنا فائدہ محسوس ہو اس کے مطابق یہ خود دوسروں کے ساتھ معاہدے کر سکتا ہے۔ جب میں نے انہیں یہ مشورہ دیا تھا تو وہ اسے سن کر ہی سیخ پا ہو گئے تھے تاہم میرے سمجھانے پر کہ اس نظریے میں بڑا وزن ہے یہ نعرہ زیادہ تعمیری ہے، بہ نسبت اس نعرے کے کہ ''اسلام خطرے میں ہے''۔ خان برادران کے رویے میں تبدیلی غالباً کافی دیر بعد آئی ہے۔ میری رائے میں یہ بات طاقت کی علامت ہے نہ کہ کمزوری کی کہ پٹھانستان مالی طور پر یا دوسرے معاملوں میں اپنے پاؤں پر کھڑا نہیں ہو سکے گا۔ اصل کمزوری یہ ہے کہ پٹھان اب تک آپس میں اس قدر منقسم رہے ہیں کہ وہ اپنی کوئی مستحکم ریاست قائم نہیں کر سکے۔ جہاں کہیں بھی انہوں نے حکومت کی ہے وہاں انہوں نے ایک اجنبی آبادی پر فاتح کی حیثیت سے حکومت کی ہے۔ وہ خود اپنی پوری تاریخ کے دوران باہمی جھگڑوں اور انتشار کا شکار رہے ہیں۔ یہاں تک کہ ہم (انگریز) یہاں آئے اور ہم نے انہیں متحد کیا، ویسے افغانستان ہرگز ایک حقیقی پٹھان ریاست نہیں ہے۔''

قارئین! کیا یہ خط ثابت نہیں کرتا کہ پختونستان غفار خاں کا نہیں انگریز کا دیا ہوا ''نسخہ'' تھا۔

اس ضمن میں ظہور الحق کی کتاب FACTS ARE SECRED میں بہت تفصیل سے اس سازش کا ذکر کیا گیا ہے۔ زاہد چودھری کی کتاب ''افغانستان کا تاریخی پس منظر اور پختون مسئلہ آزادی'' میں بھی کم وبیش یہی معلومات ہیں۔ عزیز جاوید کی کتاب ''قائداعظم اور سرحد'' کا خلاصہ بھی یہی ہے۔ محمد فاروق قریشی کی کتاب ''ولی خان اور قرارداد پاکستان'' کے متعدد مضامین بھی اس طرف اشارہ کرتے ہیں جو جناب ولی خان کی طرف سے اٹھائے گئے نکات کے جواب میں مختلف بزرگوں نے لکھے۔ جن میں خواجہ محمد صفدر اور مولانا عبدالستار نیازی بھی شامل ہیں۔ سردار عنایت الرحمٰن عباسی کی کتاب ''جھوٹ جھوٹ ہے'' (جو ولی خاں کی کتاب ''حقائق حقائق'' کا جواب ہے) کے مندرجات بھی اس بات کی تصدیق کرتے ہیں۔ مولانا ابوالکلام کی تصنیف ''آزادی ہند'' بھی یہی کہتی ہے۔ علامہ مفتی مدرار اللہ مدرار کی تصنیف ''خان عبدالغفار خاں، سیاست اور عقائد'' میں تو پختونستان کے نام سے جو مطالبہ اٹھایا گیا اس نے اصل پول ہی کھول دیا ہے کیونکہ مفتی صاحب نے انگریز گورنر کی خط وکتابت اور ڈاکٹر غفار خاں کے جوابی بیانات کے اصل الفاظ ایسی رپورٹوں اور سرکاری دستاویزات میں سے نقل کیے ہیں جن کے جواب میں سوائے قبول کرنے کے اور کچھ کہنا ممکن ہی نہیں ہے۔

ان کے علاوہ آیئے چند اور حوالے ملاحظہ ہوں:

سب سے پہلا اقتباس مولانا ابوالکلام کی کتاب ''آزادی ہند'' کے انگریزی متن INDIA WINS FREEDOM کے صفحہ 96,95 سے ہے۔

ابوالکلام آزاد کا انکشاف بابت، پختونستان

''جب خان برادران نے دیکھا کہ کانگریس تقسیم ہند کا پلان قبول کر چکی ہے تو ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کریں۔ ریفرنڈم سے انکار ان کے لیے ممکن نہ تھا کیونکہ انکار کا مطلب یہ ہوتا کہ وہ تسلیم کرتے ہیں کہ صوبہ سرحد کے عوام ان کے ساتھ نہیں ہیں لہٰذا دونوں بھائی پشاور چلے گئے اور وہاں اپنے دوستوں سے مشورے کے بعد صوبہ سرحد کے آزادی کا نعرہ بلند کیا۔ کانگریس کی ورکنگ کمیٹی نے فرنٹیئر کانگریس کی اس قرارداد کی توثیق کی ہوئی تھی جس کی رو سے خان عبدالغفار کو صوبہ سرحد کی سیاسی صورت حال سے نمٹنے کے لیے مکمل اختیارات دیے جا چکے تھے۔ فرنٹیئر کانگریس نے مطالبہ کیا کہ صوبہ سرحد میں آزاد پٹھان ریاست (پختونستان) قائم کی جائے۔ اس موقف کی وضاحت کرتے ہوئے خان عبدالغفار خان نے کہا کہ صوبہ سرحد کے پٹھانوں کی ثقافت اور تاریخ بالکل جدا ہے اور وہ اپنی روایات اور تہذیب و ثقافت کو اس وقت تک محفوظ نہیں کر سکتے، نہ پروان چڑھا سکتے ہیں جب تک صوبہ سرحد آزاد نہ ہو۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ ریفرنڈم میں رائے دہندگان سے صرف یہ سوال نہ کیا جائے کہ وہ پاکستان میں یا ہندوستان میں رہنا چاہتے ہیں بلکہ انہیں آزاد پختونستان کے حق میں بھی رائے دینے کا موقع دیا جائے۔''

قارئین کرام! مندرجہ بالا اقتباس پڑھنے کے بعد یہ واضح ہو جاتا ہے کہ صوبہ سرحد کی جگہ آزاد پختونستان قائم کرنے کے حق میں غفار خاں اور ڈاکٹر خان صاحب نے قیام پاکستان کے وقت کیا نعرہ بلند کیا تھا اور آج جب ولی خان اسی نعرے کو آگے بڑھاتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

باچا خان کا خواب زندہ ہو گیا ہے۔''

''میں ہر طرف سرخ ٹوپیاں دیکھ رہا ہوں''۔ یا ''اس جلسے نے تو پختونستان کا رخ اختیار کر لیا ہے۔'' اور ''بابا دیکھ لو کہ یہ بہادر نوجوان جیسے کل آپ کے ساتھ اٹھے تھے ایسے ہی آج اسی مقصد کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں''۔

تو کیا ولی خاں کے ان ارشادات عالیہ کو صرف یہ سمجھا جائے کہ وہ آئین کے مطابق

صوبہ سرحد کے لیے صرف حقوق اور اختیارات کی بات کر رہے ہیں، یا پختونستان کے نئے نام پختونخوا کی آڑ میں باچا خان کے خواب کو پورا کرنے کا اعلان کر رہے ہیں۔

آیئے چند اور حوالے دیکھیں:

گاندھی کے سیکرٹری اور سوانح نگار پیارے لال نے گاندھی کی سوانح نگاری لکھی ہے جس کا نام ہے:

MOHATMA GANDHI THE LAST PHASE

اس کے اصل الفاظ ملاحظہ ہوں:

''غفار خاں نے مطالبہ کیا کہ ایک آزاد اور خودمختار ریاست قائم کی جائے جس میں تمام پختون شامل ہوں''۔

ہم اسی سلسلہ مضامین میں مولانا ابوالکلام آزاد کی یہ رائے شائع کر چکے ہیں کہ دراصل خان برادران کی سرحد میں سیاسی حیثیت وہ نہ تھی جس کے وہ دعوے کرتے تھے۔ چنانچہ جب طے ہو گیا کہ ریفرنڈم ہو کر رہے گا اور برطانوی وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے یہ بھی طے کر دیا کہ یفرنڈم میں صرف پاکستان اور ہندوستان کے بارے میں سوال کیا جائے گا تو خان برادران میں مایوسی پھیل گئی۔

گاندھی کے خطوط میں سے ایک خط کا اقتباس ملاحظہ کریں۔ یہ خط گاندھی نے 29 جون کو وائسرائے ماؤنٹ بیٹن کے نام لکھا۔

''بادشاہ خاں (غفار خاں یا باچا خان کا ایک اور نام) نے لکھا ہے کہ چونکہ آزاد پٹھانستان کے قیام کے لیے اس کی کوششیں ناکام ہو گئی ہیں لہٰذا اس کے پیروکار ریفرنڈم میں حصہ نہیں لیں گے''۔

اس سے پہلے پنڈت نہرو غفار خاں کی طرف سے ریفرنڈم کے خلاف ایک خط لکھ چکے تھے جسے پیارے لال نے اپنی کتاب میں چھاپا اور چودھری محمد علی (سابق وزیراعظم پاکستان) نے ظہور پاکستان میں بھی دہرایا ہے۔ یہ اقتباس بھی ملاحظہ کریں۔ نہرو کہتا ہے:

''برطانوی حکومت اور وائسرائے صوبہ سرحد میں ریفرنڈم کا وعدہ کر چکے ہیں۔ ہم میں سے بعض نے بھی کم و بیش ایسا ہی وعدہ کیا ہے۔ اس لیے ریفرنڈم کا مسئلہ تو اب طے شدہ ہے۔

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم اس ریفرنڈم سے کیسے نجات حاصل کر سکتے ہیں''۔

وی پی مینن نے اپنی کتاب TRANSFER OF POWER IN INDIA میں صفحہ 289 پر لکھا ہے:

ترجمہ ''چونکہ خان عبدالغفار خاں کا مطالبہ تسلیم نہیں کیا گیا تھا لہٰذا انہوں نے اپنے پیروکاروں کو ہدایت کردی کہ وہ ریفرنڈم کا بائیکاٹ کردیں''۔

کیمبل جانسن کی کتاب MISSION WITH MOUNTBETON قائداعظمؒ اور مسلم لیگ کے خلاف نفرت اور دشمنی سے لبریز تصنیف سمجھی جاتی ہے۔ اس مسئلے پر جانسن کی کتاب کے صفحہ 19 پر لکھا ہے:

کانگریس نے صوبہ سرحد کے ریفرنڈم کو کافی لیت ولعل کے بعد قبول کرلیا ہے۔ ڈاکٹر خان صاحب نے پہلے تو ریفرنڈم کا بائیکاٹ کرنے کی دھمکی دی۔ بعدازاں گاندھی کے مشورے پر سرخ پوشوں نے عدم تشدد کے اصولوں کو بروئے کار لانے کا فیصلہ کیا اور اب وہ پرامن طریقے سے ریفرنڈم میں حصہ نہیں لیں گے''۔

خان برادران کی حکومت کے خلاف ہنگامے

قارئین محترم! صوبہ سرحد میں ولی خان کے تایا ڈاکٹر خان صاحب کی حکومت تھی۔ ولی خان کے والد غفار خان عرف بادشاہ خاں یا باچا خان خدائی خدمت گار تحریک کے ساتھ ساتھ کانگریس کے صوبائی لیڈر بھی تھے اور انہیں تیزی سے احساس ہو رہا تھا کہ ان کے سارے مہرے پٹتے جا رہے ہیں۔ زاہد چودھری کی کتاب ''افغانستان کی آزادی اور پختون خودمختاری کا مسئلہ'' کا چوتھا باب ان واقعات پر مشتمل ہے جو اس دوران پیش آئے۔ اس کتاب کے چند اقتباسات پیش خدمت ہیں:

''ہندوستان کا نیا وائسرائے ماؤنٹ بیٹن 4 مارچ 1947ء کے تیسرے ہفتے میں نئی دہلی پہنچا تو صوبہ سرحد میں کانگریس کی حکومت کے خلاف مسلم لیگ کی سول نافرمانی کی تحریک جاری تھی''۔

''پشاور اور ایبٹ آباد کے علاقوں میں ہندوؤں اور سکھوں کے اقلیتوں پر حملے شروع

ہو گئے ۔ سب کو معلوم تھا کہ صوبہ سرحد میں لوگوں کے پاس بندوقوں اور دوسرے ہتھیاروں کی کمی نہیں اور اگر ان ہتھیاروں کا وسیع پیمانے پر استعمال شروع ہو گیا تو صورت حال پر قابو پانا ناممکن ہو جائے گا''۔

''ڈاکٹر خان صاحب کی کابینہ کے دو ارکان ڈیرہ اسماعیل خان کے فسادات کو روکنے کے لیے موقع پر پہنچے تو انہوں نے فسادیوں کے خلاف ٹینک اور توپیں استعمال کرنے پر زور دیا۔ صرف سرکاری اعلان کے مطابق چھ دنوں میں نو سو دکانیں نذر آتش ہوئیں''۔

''ماؤنٹ بیٹن کو شمالی مغربی سرحدی صوبے میں بدامنی کی اطلاع ملی تو وہ بہت پریشان ہوا۔اس لئے کہ یہ علاقہ سوویت یونین کے نزدیک واقع ہونے کی وجہ سے انتہائی اہمیت کا حامل تھا۔ ماؤنٹ بیٹن صورت حال کا جائزہ لینے کے لئے 28 اپریل کو پشاور پہنچا۔ وہ گورنر ہاؤس میں گیا ہی تھا کہ سرحد کے گورنر سر اولف کیرو نے سراسیمگی کی حالت میں اس کے کمرے میں آ کر بتایا کہ گورنر ہاؤس کے قریب ہی مسلم لیگ کا بہت بڑا مظاہرہ ہو رہا ہے''۔

قارئین محترم! یہ صورت حال تھی، جس میں انگریز مجبور ہو گیا کہ غفار خاں اور ڈاکٹر خان صاحب کی بات ماننے کے بجائے عوام سے براہ راست یہ سوال پوچھے کہ وہ پاکستان اور ہندوستان میں سے کسی کے ساتھ ملنا چاہتے ہیں۔ سرکاری خط و کتابت میں 30 اپریل کو ماؤنٹ بیٹن نے نہرو کو جو خط لکھا، اس کا ایک اقتباس ملاحظہ کریں۔ ماؤنٹ بیٹن لکھتا ہے:

''صوبے میں واضح طور پر فرقہ وارانہ فسادات کی لہر اٹھی ہوئی ہے، جس کا اظہار صوبائی حکومت (ڈاکٹر خان صاحب کی کانگریس حکومت) کے خلاف ایجی ٹیشن کی صورت میں ہو رہا ہے، جو ہندو کانگریس کے زیر اثر سمجھی جاتی ہے۔''

آگے چل کر ماؤنٹ بیٹن لکھتا ہے:

''خالص فرقہ واریت پر مبنی سیاست پر خواہ کتنا ہی افسوس کیا جائے، ان لوگوں کے جذبے کی موجودگی اور اس کی قوت کو تسلیم کرنا پڑتا ہے۔''

ماؤنٹ بیٹن قبائلیوں کے بارے میں پنڈت نہرو کو اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

''وہ اپنی قوت اور حیثیت کے بارے میں بہت پر اعتماد ہیں اور کسی ایسے ملک (ہندوستان)

میں شامل ہونے پر سوچنے کو بھی تیار نہیں، جس کے بارے میں ان کا خیال ہے کہ وہاں ہندوؤں کے غلبے کا امکان ہے۔''

قارئین محترم! واضح رہے کہ ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ پنڈت نہرو کے انتہائی قریبی تعلقات تھے، بلکہ اب تو ماؤنٹ بیٹن کی بیوی سے پنڈت نہرو کے معاشقے کی رودادیں بھی چھپ چکی ہیں۔ مسلم لیگ نے ماؤنٹ بیٹن کی یہ خواہش مسترد کر دی تھی کہ وہ پاکستان اور ہندوستان دونوں کا مشترکہ گورنر جنرل بننا چاہتا ہے اور قائداعظمؒ کو پاکستان کا پہلا گورنر جنرل مقرر کیا گیا تھا۔ یہ ماؤنٹ بیٹن قائداعظمؒ کے کس قدر خلاف تھا، اس کے بے شمار ثبوت اب تک سامنے آ چکے ہیں، پنڈت نہرو اور کانگریس نے اسے نو آزاد شدہ ہندوستان کا گورنر بھی تسلیم کیا، لیکن یہی ماؤنٹ بیٹن یکم مئی کو (جو ہفتہ وار رپورٹیں لندن ارسال کرتا ہے، اس میں) دورۂ سرحد کے بارے میں اپنے تاثرات ان الفاظ میں بھیج رہا ہے:

''میرے دو روزہ قیام پشاور کے دوران موصول ہونے والے ٹیلیگرام، خطوط اور پوسٹ کارڈوں کی تعداد 30 ہزار 29 رہی۔ ان میں زیادہ تر کانگریس حکومت (ولی خاں کے تایا ڈاکٹر خاں کی صوبہ سرحد میں وزارت اعلیٰ) پر عدم اعتماد کا اظہار کیا گیا تھا۔''

ریفرنڈم کے فیصلے پر خان برادران کا ردعمل

قارئین کرام! 3 جون 1947ء کو جب کانگریس نے بھی تقسیم کے منصوبے کو تسلیم کر لیا تو خان عبدالغفار خاں کا ردعمل کیا تھا، اس پر گاندھی کے معتمد پیارے لال کی کتاب سے یہ اقتباس ملاحظہ کیجئے:

''3 جون 1947ء کو جب کانگریس نے تقسیم کے منصوبے کو منظور کیا، تو خان عبدالغفار خاں نے گاندھی جی کو بتایا کہ ''صوبہ سرحد میں انتہائی ہیبت ناک انجام ہمارا منتظر ہے، ہم نہیں جانتے کہ کیا کریں؟'' اس پر گاندھی نے واضح کیا کہ ''خان صاحب! عدم تشدد کسی امتیاز کا قائل نہیں، یہ آپ کی آزمائش کا وقت ہے، آپ یہ اعلان کر سکتے ہیں کہ پاکستان آپ کو قبول نہیں ہے اور بہادری سے مشکلات کا سامنا کر سکتے ہیں۔ ان لوگوں کے لئے کون سا خوف مانع ہو سکتا ہے، جو کرو یا مر جاؤ پر یقین رکھتے ہیں۔''

ماؤنٹ بیٹن پیپرز میں فائسرائے کا انٹرویو نمبر 144 انگریزی زبان میں درج ہے اس کا اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

He stated categorically that the N.W.F.P. would never join Pakistan. He said that he did not understand how Pakistan was going to be run. I pointed out to him that the fact that the Western Punjab would be between the N.W.F.P. and and the rest of Hindustan in one way made it impossible for the N.W.F.P. to join Hindustan. A similar situation prevailed as betwwn Western and Eastern Pakistan.

اس اقتباس کا ترجمہ یہ ہے:

''ڈاکٹر خان صاحب نے واضح طور پر کہا کہ صوبہ سرحد کبھی پاکستان میں شامل نہیں ہوگا جس پر ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ آپ ہندوستان میں شامل ہو سکتے ہیں اور اس بات کا زیادہ خیال نہ کریں کہ صوبہ سرحد اور ہندوستان کے درمیان پاکستان کا ایک صوبہ یعنی مغربی پنجاب حائل ہوگا کیونکہ اسی طرح کی صورتحال آخر مشرقی اور مغربی پاکستان میں بھی موجود ہے''۔

قارئین محترم! آپ دیکھ سکتے ہیں کہ ولی خان صاحب اپنی کتاب ''حقائق حقائق ہیں'' میں جس مسلم لیگ اور جس قائداعظمؒ پر یہ الزام لگا رہے ہیں کہ وہ خدانخواستہ انگریز کے ایجنٹ تھے خود انگریز کس حد تک جا کر ولی خاں کے تایا اور سرحد کی کانگریس حکومت کے سربراہ اور وزیراعلیٰ کو مشورہ دے رہا ہے کہ آپ ہندوستان میں شامل ہو جائیں اور اس بات سے ہرگز نہ ڈریں کہ آپ کے صوبے اور دلی کے پایہ تخت کے درمیان پنجاب کا صوبہ حائل ہوگا کیونکہ مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان بھی ہندوستان موجود ہے۔

کیا یہ انگریز وائسرائے مسلم لیگ اور قائداعظمؒ کی حمایت کر رہا تھا یا جڑیں کاٹ رہا تھا۔

یہ تو اچھا ہوا صوبہ سرحد میں حکومت کے باوجود مسلمانان کی بھاری تعداد نے خان برادران کو مسترد کر دیا اور پاکستان کے حق میں کل ڈالے گئے دونوں میں سے 90 فیصد سے زائد ووٹ دیئے ورنہ خان برادران تو بھارت کے ساتھ سرحد کو شامل کرنے کے خواہش مند تھے۔

آج بھی ولی خان مسلم لیگ یا کسی سیاسی اتحاد کے کندھے پر چڑھے بغیر الیکشن لڑیں یا ایسے

کسی ریفرنڈم میں اپنی پوزیشن دیکھ لیں، ان کے سارے دعوؤں کا پول کھل جائے گا کیونکہ صوبہ سرحد کے لوگ اکثریت کے ساتھ نہ تو ان کو ترجمان سمجھتے ہیں نہ ان کے بزرگوں کے علانیہ اور خود ولی خاں کے درپردہ عزائم سے دلچسپی رکھتے ہیں۔

ٹیکسلا کے مقام پر بھارتی اور سرحدی گاندھی

گاندھی کی طرف سے غفار خان کو پاکستان پر حملے کی یقین دہانی

قارئین کرام! آپ دیکھ رہے ہیں کہ مختلف کتابوں سے جو مستند حوالہ جات سامنے آئے ہیں، ان کی روشنی میں کیا شکل نظر آ رہی ہے۔ پختونخوا کیا ہے اور پختونستان کیا، یہ اصطلاحیں کہاں سے آئیں، کس نے کیا کردار ادا کیا، آگے چلتے ہیں:

سب سے پہلے ڈی جی ٹنڈولکر کی کتاب سے اقتباس ملاحظہ کریں، جس میں بتایا گیا ہے کہ کانگریس کی ورکنگ کمیٹی میں ہندوستان کی تقسیم کا خاکہ منظور ہوا تو خان عبدالغفار خان کا کیا حال تھا۔ ٹنڈولکر لکھتا ہے:

''کانگریس ورکنگ کمیٹی کے اجلاس میں ہندوستان کی تقسیم کی منظوری کا خان عبدالغفار خان پر اتنا شدید اثر ہوا کہ ان پر کچھ دیر کے لئے سکتہ طاری ہوا وہ کئی منٹ تک گم صم بیٹھے رہے اور کافی دیر تک کچھ نہ بول سکے۔ پھر انہوں نے ورکنگ کمیٹی سے اپیل کی اور اسے یاد دلایا کہ وہ ہمیشہ کانگریس کی حمایت کرتے رہے ہیں اگر کانگریس نے انہیں بے یار و مددگار چھوڑا تو صوبہ سرحد میں اس کا ردعمل نہایت خطرناک ہوگا اور ان کے دشمن ان پر قہقہے لگائیں گے اور ان کے دوست کہیں گے کہ جب تک کانگریس کو سرحد کی ضرورت تھی، وہ خدائی خدمت گاروں کی پشت پناہی کرتی رہی لیکن جب کانگریس نے مسلم لیگ کے ساتھ سمجھوتہ کرنا چاہا، تو سرحد کے رہنماؤں سے مشورہ لئے بغیر اس نے تقسیم ہند کی سکیم منظور کر لی۔ صوبہ سرحد کانگریس کے اس رویئے کو (خدائی خدمت گاروں سے) بے وفائی اور غداری پر محمول کرے گا اور سمجھے گا کہ کانگریس نے انہیں ''بھیڑیوں کے آگے ڈال دیا۔''

بھارتی گاندھی اور سرحدی گاندھی کی ایک اور تصویر

قارئین خود اندازہ کر سکتے ہیں کہ غفار خان صاحب کی نظر میں بھیڑیا کون تھا۔

پاکستان، مسلم لیگ یا بانی پاکستان؟

ٹنڈولکر نے آگے چل کر لکھا ہے کہ:

''عبدالغفار خان نے گاندھی اور کانگریس ورکنگ کمیٹی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: ہم پختون لوگوں نے آپ کا ساتھ دیا اور اس آزادی کو حاصل کرنے کے لئے ہماری بڑی قربانیاں ہیں۔ لیکن آپ لوگوں نے کانگریس کی طرف سے ہمیں تنہا چھوڑ دیا بلکہ ہمیں بھیڑیوں کے آگے ڈال دیا۔ ہم ریفرنڈم پر کبھی تیار نہیں ہوں گے کیونکہ ہم پہلے ہی پاکستان اور ہندوستان کے مسئلے پر الیکشن جیت چکے ہیں۔ اب جب کہ ہندوستان نے ہمیں اپنانے سے انکار کر دیا ہے، ہم ہندوستان اور پاکستان میں سے کسی کو منتخب کرنے پر ریفرنڈم کیوں کرائیں۔ ریفرنڈم اس مسئلے پر ہونا چاہئے کہ پختونستان بنے گا یا پاکستان؟''

ٹنڈولکر ہی کے الفاظ میں اس اجلاس کی کارروائی کا احوال کچھ یوں لکھا گیا ہے:

''غفار خان کے گلہ آمیز جواب پر گاندھی نے کہا:

''مجھے یقین ہے کہ اگر صوبہ سرحد کے ساتھ پاکستان میں مناسب سلوک نہ کیا گیا یا خدائی خدمت گاروں کو دبایا گیا تو یہ بھارت کی اخلاقی ذمہ داری ہوگی کہ خدائی خدمت گاروں کی مدد

کے لئے آگے بڑھے اور میں بھارت کو یہ مشورہ دینے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کروں گا کہ وہ اس امر (یعنی پاکستان کی طرف سے خدائی خدمت گاروں سے ناروا سلوک) کو دفاعی اعتبار سے حملے کے لئے کافی سمجھے۔''

قارئین محترم! یہ صورتحال ظاہر کرتی ہے کہ غفار خان پاکستان میں شامل ہونے کو یہ سمجھتے تھے کہ ایسا کرنا بقول ان کے پختونوں کو بھیڑیوں کے آگے ڈالنے کے مترادف تھا۔ اس ضمن میں آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ غفار خان کے نزدیک قائداعظمؒ ،مسلم لیگ اور پاکستان کے لوگ بھیڑیئے تھے۔ یہی نہیں' بلکہ گاندھی نے انہی اس حد تک یقین دلایا کہ اگر پاکستان بننے کے بعد حکومت پاکستان غفار خان یا ان کے لوگوں سے کوئی برا سلوک کرے تو بھارتی حکومت پاکستان پر حملہ کرنے اور ان کی مدد کرنے کی پابند ہوگی۔

اس مرحلے پر ایک اور خوفناک حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے کہ گاندھی کا عدم تشدد کس قدر فراڈ تھا' کیونکہ ڈی جی ٹنڈولکر ہی کی کتاب ''عبدالغفار خان'' مطبوعہ گاندھی پیس فاؤنڈیشن بمبئی کے صفحہ 425 پر لکھا ہے کہ:

Gandhiji had later repeated that statement to my son. When ghani asked him what would happen to his non-violence in that event,Gandhiji had told him not to worry about his non-violence. i am non-violent, the government is no.

'' گاندھی جی نے بعد میں یہ بات میرے بیٹے کو بتائی۔ جب غنی خان (عبدالغفار خان کے بیٹے اور ولی خان کے بھائی) نے ان سے پوچھا کہ آپ ایسا کیوں کر کریں گے' کیونکہ آپ تو عدم تشدد کے حامی ہیں' تو گاندھی نے غنی خان کو بتایا کہ آپ میرے عدم تشدد کے بارے میں فکر نہ کریں کیونکہ عدم تشدد کا حامی میں ہوں' ہندوستان کی حکومت نہیں۔''

غفار خان کا ایک اور حربہ

قارئین محترم! ٹنڈولکر لکھتا ہے کہ 18 جون کو غفار خان نے گاندھی کے ہمراہ وائسرائے ہاؤس میں قائداعظمؒ سے پہلی ملاقات کی، دوسری ملاقات قائداعظمؒ کی رہائش گاہ پر ہوئی۔ ان دونوں ملاقاتوں میں عبدالغفار خان نے قائداعظمؒ کو حسب ذیل شرائط پیش کیں اور کہا کہ ہم پختون پاکستان میں اس شرط پر شامل ہوں گے۔

1۔ یہ شمولیت باعزت شرائط پر ہو۔

2۔ پاکستان نے آزادی کے بعد برطانیہ کے زیر تسلط رہنے کا فیصلہ کیا تو صوبہ سرحد کے ضلعی علاقے اور قبائلی علاقے کو پاکستان سے الگ ہونے اور ایک علیحدہ آزاد مملکت قائم کرنے کا اختیار ہو۔ وی پی مینن کی کتاب TRANSRER OF POWER IN INDIA کے صفحہ 195 پر عبدالغفار خان کی انہی شرائط کو ان الفاظ میں لکھا گیا ہے۔

''عبدالغفار خان مسٹر جناح کے ساتھ مذاکرات کے لئے دہلی آئے۔ اور بعد میں انہوں نے بتایا کہ انہوں نے مسٹر جناح سے کہا ہے کہ صوبہ سرحد پاکستان میں شامل ہوگا بشرطیکہ پاکستان کا آئین صوبہ سرحد کی پسندیدگی کے مطابق ہو اور وہ اس صورت میں پاکستان کی دستور ساز اسمبلی میں شرکت پر رضامند ہوں گے، بشرطیکہ انہیں پاکستان کی دستور ساز اسمبلی سے علیحدہ ہونے کا حق دیا جائے۔

ابوالکلام آزاد نے اپنی کتاب ''آزادی ہند'' کے صفحہ 309 پر عبدالغفار خان کے بارے میں لکھا ہے:

''18 جون کو اپنے معمول کے مذہبی خطاب میں گاندھی جی نے اجتماع سے کہا کہ وہ ان کے ساتھ بادشاہ خان کے مشن کی کامیابی کے لئے دعا کریں جو ایک آزاد فرنٹیئر مملکت کے لئے کوشش کر رہے ہیں، جس کا نام پختونستان ہے۔''

ای ڈبلیو آر لمبی کی کتاب کے صفحہ 172-173 پر لکھا ہے کہ:

''کانگریس سرحدی عوام کو یہ موقع دینے پر آمادہ تھی کہ وہ پاکستان یا پختونستان میں سے کسی ایک کو منتخب کر سکتے ہیں لیکن جناح نے سخت مخالفت کی۔ انہوں نے کہا کہ پختونستان کا شوشہ شرانگیز اور جعلی ہے، تاہم میں یقین دلاتا ہوں کہ پاکستان دستور ساز اسمبلی جو بھی آئین منظور

کرے گی' اس میں سرحد کو ایک خودمختار اکائی کی حیثیت حاصل ہوگی اور سرحد کے عوام کو اپنے داخلی معاملات پر مکمل کنٹرول ہوگا۔

قارئین محترم! آیئے' پختونستان کے مسئلے پر آگے چلتے ہیں' جہاں صوبہ سرحد کی صوبائی کانگریس کمیٹی' کانگریس کی پارلیمانی پارٹی' خدائی خدمت گاروں اور زلمے پختون کے عہدیداروں اور کارکنوں نے 21 جون 1947ء کو بنوں کے مقام پر اجلاس عام کیا جو خان امیر محمد خان کی سربراہی میں ہوا۔ اس اجلاس میں عہد کیا گیا کہ تمام پختونوں کی ایک ریاست قائم کی جائے گی جس کا نام پختونستان ہوگا۔ اجلاس نے تمام پختونوں سے اپیل کی کہ اس مقصد کے لئے متحد ہو جائیں اور کسی غیر پختون کی بالادستی کو قبول نہ کریں۔

افغانستان کی طرف سے پختونستان کی حمایت کا اعلان

قارئین محترم: کتاب کا نام ہے''پاکستان کی سیاسی تاریخ''' مصنف زاہد چودھری' جلد نمبر 8 اقتباس ملاحظہ ہو:

''3 جون کے اعلان کے بعد افغانستان کے ذرائع ابلاغ میں آزاد پٹھانستان کے حق میں پراپیگنڈا کیا جارہا تھا۔ 9 جون کو کابل ریڈیو کی نشریات میں کہا گیا کہ ڈیورنڈ لائن اور دریائے سندھ کے درمیان بسنے والوں کو ہندوستان کے دوسرے عناصر کی طرح آزادی کے حصول میں اپنے لئے مخصوص راہ کا انتخاب کرنے کا اختیار نہیں دیا گیا۔ اس روز کے اخبار''انیس'' میں اس معاملے کو اقوام متحدہ میں لے جانے کا مطالبہ کیا گیا۔

''11 جون کو افغان وزیر خارجہ علی محمد نے کابل میں متعین برطانوی سفیر کے ساتھ ملاقات کی اور مطالبہ کیا کہ صوبہ سرحد کے عوام کو پاکستان یا ہندوستان میں سے کسی ایک کے ساتھ شامل ہونے پر مجبور نہ کیا جائے بلکہ انہیں آزاد پٹھانستان بنانے کا چوائس بھی دیا جائے۔

برطانوی سفیر نے جواب دیا''صوبہ سرحد دونوں میں سے جس آئین ساز اسمبلی میں بھی شامل ہوگا' وہ اس اسمبلی میں اپنے لئے مکمل آزادی کا مطالبہ کر سکے گا۔

برطانوی سفیر نے اس ملاقات کی تفصیل کے بارے میں لندن میں وزیر خارجہ کو مطلع کیا اور وہاں سے اس بارے میں ہدایات طلب کیں اسی روز لندن میں متعین افغانستان کے سفیر نے

براہ راست وزیر خارجہ برطانیہ کے ساتھ ملاقات کر کے انہی خیالات کا اظہار کیا۔ مزید یہ مطالبہ بھی کیا کہ مجوزہ ریفرنڈم میں سرحد کے عوام کو اپنی آزاد ریاست بنانے کے علاوہ افغانستان میں شمولیت اختیار کرنے کا چوائس بھی دیا جائے۔''

''20 جون کو افغان حکومت نے برطانوی حکومت کو ایک نوٹ ارسال کیا، جس میں یہ مؤقف اختیار کیا گیا کہ صوبہ سرحد کے افغان دراصل افغانستان کا حصہ ہیں، جنہیں گزشتہ صدی کی اینگلو افغان لڑائیوں کے دوران برطانیہ نے اپنے قبضے میں لے لیا تھا۔ افغانوں اور صوبہ سرحد کا ہندوستان کے عوام کے ساتھ تعلق مصنوعی نوعیت کا ہے۔ چنانچہ صوبہ سرحد کو یا تو آزاد ریاست بننے یا اپنے مادر وطن افغانستان میں شامل ہونے کا اختیار دیا جائے۔''

21 جون سے 25 جون 1947ء کے ''پاکستان ٹائمز'' کی لاہور کی فائل تین دلچسپ خبریں پیش کرتی ہے۔

پہلی خبر: خان عبدالغفار خان نے کہا، انگریز پٹھانوں کے دشمن ہیں اور وہ صوبہ سرحد میں پٹھانوں کی مرضی کیخلاف ان پر پاکستان کو مسلط کرنے کا تہیہ کر چکے ہیں، تاکہ وہ یہاں روس کیخلاف اپنے فوجی اڈے قائم کر سکیں لیکن جب تک صوبہ سرحد میں خدائی خدمت گار موجود ہیں، وہ ان کی سکیموں کو کامیاب نہیں ہونے دیں گے۔

دوسری خبر: جواہر لال نہرو نے ہردوار میں پشتو بولنے والے ہندو اور سکھ شرنارتھیوں کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے خدائی خدمت گار یا سرخ پوش تحریک کی قرارداد برائے پختونستان کی حمایت کی۔

تیسری خبر: ''پاکستان ٹائمز'' کا اسی قرارداد پر تبصرہ ہے، یاد رہے کہ ان دنوں معروف ترقی پسند شاعر فیض احمد فیض ''پاکستان ٹائمز'' کے ایڈیٹر تھے۔ ''پاکستان ٹائمز'' لکھتا ہے اگر خان برادران نے اسلامی نظام حکومت کے بارے میں ابتدائی درسی کتابیں بھی پڑھی ہوتیں تو انہیں پتا ہوتا کہ کسی ایسی اسلامی ریاست کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ جو صرف پٹھانوں، راجپوتوں، بنگالیوں یا دوسرے نسلی گروہوں کے لئے مخصوص ہو۔''

عبدالغفار خان جوانی میں
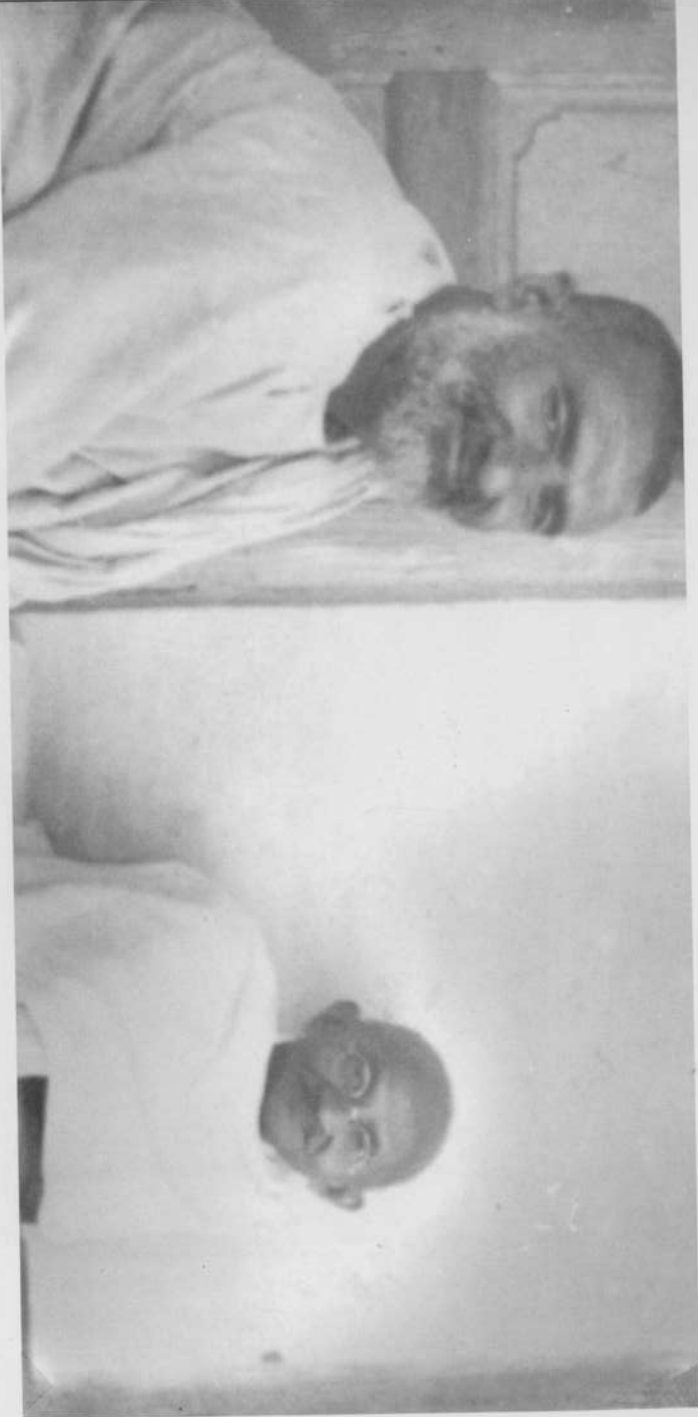
گاندھی اور غفار خان

ریفرنڈم 1947ء میں غفار خان کی شرمناک شکست

قارئین محترم! صوبہ سرحد میں ریفرنڈم کے موقع پر شائع ہونے والے ایک پوسٹر کا عکس ملاحظہ کیجئے' جو تقسیم سے پہلے ریفرنڈم کمشنر صوبہ سرحد کی طرف سے جاری کیا گیا۔ اس اشتہار پر جے آر بوتھ بریگیڈیئر کا نام بطور جاری کنندہ درج ہے۔ اس پوسٹر کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

صوبہ سرحد کے باشندوں کو ریفرنڈم کے ذریعے موقع دیا گیا ہے کہ وہ ذیل کے مسئلے پر اپنا قطعی فیصلہ دے دیں تا کہ آیا:

1۔ وہ پاکستان کی مجلس آئین ساز میں شامل ہونا چاہتے ہیں۔

2۔ ہندوستان کی مجلس قانون ساز میں شریک ہونا پسند کرتے ہیں۔

یہ گویا اس امر کے لئے ووٹ دینا ہے کہ آیا صوبہ سرحد ہندوستان کا ایک جزو بننا چاہتا ہے' یا پاکستان کا ایک حصہ بن کر رہنا چاہتا ہے۔

آپ کے سامنے اور کوئی تیسری تجویز نہیں۔

آپ کو پولنگ سٹیشن میں دو صندوق رکھے ہوئے ملیں گے۔ ایک سرخ رنگ کا' دوسرا سبز رنگ کا۔

اگر آپ کی مرضی یہ ہے کہ صوبہ سرحد ہندوستان کی مجلس قانون ساز میں شامل ہو جائے تو اپنا ووٹ سرخ صندوق میں ڈال دیں۔

اگر آپ چاہتے ہو کہ صوبہ سرحد پاکستان کی مجلس اقنون ساز میں مل جائے تو اپنا ووٹ سبز صندوق میں ڈال دو۔

قارئین محترم! آپ یہ بات نوٹ کر سکتے ہیں کہ ان دنوں بھی سرخ رنگ بھارت کے جھنڈے کی علامت تھا اور سبز رنگ پاکستانی جھنڈے کی البتہ خدائی خدمت گار تحریک کا رنگ بھی شروع

سے سرخ تھا۔

خان عبدالغفار خان کے بارے میں علامہ مفتی مدرار اللہ مدرار اپنی کتاب ''عبدالغفار خان' سیاست اور عقائد کے صفحہ 121 پر لکھتے ہیں:

''خان عبدالغفار خان 1921ء سے مجلس خلافت میں شامل تھے اور عوام میں ''خلافتی'' کے نام سے مشہور تھے۔ اس وقت سرخ پوشوں کے نعرے اللہ اکبر' اسلام زندہ باد' قرآن آزاد اور انقلاب زندہ باد تھے۔ اس وقت ان کا نشان بھی مجلس خلافت کا مخصوص نشان تھا۔ یعنی ''سرخ کپڑے پر سفید چاند تارا'' کا نشان۔ اس نشان پر اللہ اکبر لکھا ہوا تھا۔ لیکن خان عبدالغفار خان کانگریس میں شامل ہو گئے تو اسی دن سے ہلالی پرچم کے بجائے ترنگا جھنڈا رائج کرنا شروع کر دیا' جس پر چرخے کا نشان تھا۔ یہی کانگریسی جھنڈے ان کے دفاتر پر لہرائے گئے اور اسلامی پرچم کو ہٹا دیا گیا لیکن عجیب بات ہے کہ پختونستان کے جھنڈے پر دوبارہ اللہ اکبر' لکھا گیا' ظاہر ہے کہ اس کا مطلب پختون قوم کو اسلام کے نام پر بلانے کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کیونکہ خان موصوف سیکولرازم پر یقین رکھتے تھے۔

کیا یہ یکا یک تبدیلی ذہن میں طرح طرح کے سوالات کو جنم نہیں دیتی؟

پختونستان کے سوال پر قائداعظمؒ کا جواب

روزنامہ ''خیبر میل'' نے 4 جولائی اور روزنامہ ''پیسہ اخبار'' لاہور نے 10 جولائی 1947ء کو خان برادران' گاندھی اور کانگریس کے دوسرے لیڈروں کی طرف سے پختونستان کے سٹنٹ پر شدید ردعمل کا اظہار کرتے ہوئے جو کچھ کہا' اس کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

''قائداعظم محمد علی جناحؒ نے صوبہ سرحد کے کانگریسی لیڈروں کی طرف سے پیش کردہ پٹھانستان کے مطالبہ پر کڑی نکتہ چینی کرتے ہوئے سرحد کے مسلمانوں پر یہ حقیقت واضح کی کہ آپ پہلے مسلمان ہیں پھر پٹھان اور اگر صوبہ سرحد پاکستان میں شامل نہ ہوا تو وہ تباہ ہو جائے گا۔

قائداعظمؒ نے فرمایا کہ کانگریس 3 جون کی برطانوی سکیم قبول کر چکی ہے لیکن اب صوبہ سرحد کی کانگریس نے پٹھانستان کا شرانگیز مطالبہ کر کے آل انڈیا کانگریس کے فیصلے کی خلاف ورزی

کی ہے۔

آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی طرف سے برطانوی سکیم کی منظوری کے بعد سرحد کانگریس کے لئے اس فیصلہ کی منظوری، پابندی اور احترام ضروری ہے کیونکہ وہ آل انڈیا کانگریس کی ایک شاخ ہے۔ جب آل انڈیا کانگریس کمیٹی اور کانگریس ورکنگ کمیٹی نے برطانوی سکیم کو منظور کیا تو سرحد کانگریس کے نمائندے بھی ان جلسوں میں موجود تھے لہٰذا اب کانگریس پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ برطانوی سکیم کے مندرجات کا احترام کرے اور اس پر دیانتداری سے عمل پیرا ہو لیکن اس کے برعکس مسٹر گاندھی اپنی پرارتھناؤں میں جن نظریات کی ترجمانی کرتے رہے ہیں، ان کا مقصد یہ ہے کہ خان برادران برطانوی سکیم کو ناکام بنانے کے لئے شہ پائیں۔ سرحدی مسلمانوں کو بھڑکائیں اور اس طرح سرحدی مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پیدا کریں۔

قائداعظمؒ نے فرمایا کہ خان برادران یا کسی دوسرے شخص نے اس سے پہلے آزاد پٹھانستان کا شرانگیز مطالبہ کبھی پیش نہیں کیا تھا۔ حال ہی میں جو نیا سٹنٹ کھڑا کیا گیا ہے اور جو نئے نعرے ایجاد کیے ہیں، ان کا مقصد پٹھانوں کو گمراہ کرنا ہے۔ پٹھانوں کو یہ بتایا جا رہا ہے کہ مجوزہ پٹھانستان جمہوریت، مساوات اور سماجی انصاف کے اسلامی نظریات کی اساس پر بنایا جائیگا۔ حالانکہ ابھی کل تک تو وہ متحدہ قومیت اور کانگریس کی طرف سے ہندوستان بھر کے لیے مضبوط فیڈرل حکومت کے مطالبے کے علمبردار تھے۔ اب ان میں اچانک جو نئی تبدیلی آئی ہے، وہ ایک سیاسی فراڈ ہے۔

قائداعظمؒ نے کہا کہ پاکستان کی دستور ساز اسمبلی (جیسا کہ میں بار بار واضح کر چکا ہوں) ایسا آئین مرتب کر سکتی ہے، جس کے مطابق سرحدی عوام خود اپنی قسمت کے مالک ہوں گے اور وہ خود بھی دوسرے صوبوں کی طرح پاکستان کی وحدت یا پاکستان کی وفاقی حکومت میں ایک یونٹ کی حیثیت سے صوبہ کے عام نظم و نسق کے علاوہ اپنے سماجی، ثقافتی اور تعلیمی مسائل طے کرنے کے مجاز ہوں گے۔

انہوں نے خان برادران کے اس زہریلے پراپیگنڈا کی پرزور تردید کی کہ پاکستان کی دستور ساز اسمبلی شریعت اور قرآنی اصولوں کو نظر انداز کر دیگی۔ قائداعظمؒ نے فرمایا کہ تیرہ صدیوں سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے۔ اس دوران میں مسلمانوں کو ہر قسم کے حالات کا سامنا

کرنا پڑا، لیکن اس کے باوجود ہم قرآن کریم پر عمل کرتے رہے۔اب دفعتاً ہم پر یہ الزام عائد کیا گیا کہ پاکستان کی دستور ساز اسمبلی پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔

انہوں نے کہا کہ خان برادران اپنے تیئں اسلام اور قرآن کے علمبردار بننے لگے ہیں، لیکن میں ان سے یہ دریافت کرتا ہوں کہ جس طرح ہندو دستور ساز اسمبلی میں بلاحیل وحجت جا شامل ہوئے تھے اور جہاں ہندوؤں کی وحشیانہ اکثریت ہے، اب وہاں ان کا کیا حشر ہوگا؟

قائداعظمؒ نے کہا، خان برادران نے گزشتہ دس سالوں سے سرحد کے مسلمانوں سے جو فراڈ روا رکھا ہے، ہم اس کا پول کھولنا چاہتے ہیں۔ ماضی میں وہ کانگریس کے اشاروں پر پٹھانوں کو گمراہ کرنے میں کامیاب ہوتے رہے ہیں، مگر اب وہ زیادہ دیر پٹھانوں کو دھوکا نہیں دے سکیں گے۔

قارئین دیکھ سکتے ہیں کہ قائداعظمؒ نے اس وقت ہی محسوس کرلیا تھا کہ کہاں تو خان برادران کو ہندو اکثریت کے ساتھ مل کر رہنا منظور تھا، لیکن جونہی مسلم لیگ نے پاکستان کا مطالبہ شروع کیا، تو باچا خان نے رنگ بدلا کہ ہم تو الگ پختونستان چاہتے ہیں کیونکہ پاکستان کی دستور ساز اسمبلی ہمارے لیے اسلامی اصولوں کے تحت زندگی مشکل کردے گی۔ تعجب ہے کہ ایسی باتیں وہ شخص کہہ رہا تھا، جو گیتا کو نعوذ باللہ قرآن پاک کے مترادف، گاندھی کو پیغمبر کے برابر، روزے کو ہندو برت کے مماثل اور ہندو مت کو آسمانی مذہب قرار دینے کے ساتھ ساتھ گاندھی کے ساتھ ''عبادت'' کرتا اور اس کے پاؤں دھونے پر اصرار کرتا تھا اور وہ شخص تھا، ولی خان صاحب کا والد خان عبدالغفار خان۔

ریفرنڈم کے انتظامات

قارئین محترم! ہم پہلے بیان کرچکے ہیں کہ سر اولف کیرو صوبہ سرحد کا گورنر تھا اور یہ شخص تھا، جس نے پاکستان بنتے دیکھ کر 1947ء کے آغاز میں عبدالغفار خان اور وزیراعلیٰ سرحد ڈاکٹر خان صاحب کو پٹھانوں کے لیے علیحدہ ریاست حاصل کرنے کا مشورہ دیا تھا، لیکن جونہی ریفرنڈم کے دن قریب آتے گئے، خان برادران کی بے چینی بڑھتی گئی۔ آیئے دیکھیں، ولی خان کے والد اور تایا
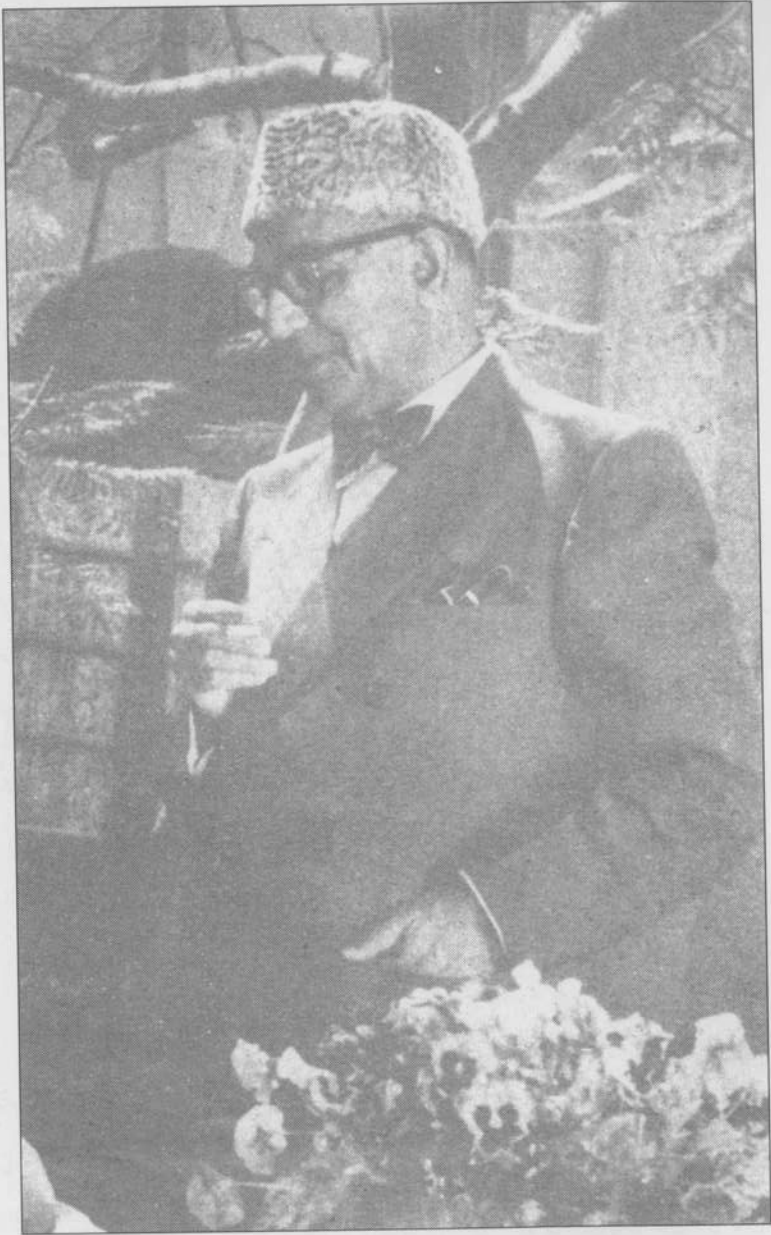
پاکستان کے پہلے وزیر اعظم نوابزادہ لیاقت علی خان

صاحب کی بدلتی ہوئی سیاست نے قیام پاکستان کے وقت کیا کیا رنگ دکھائے۔

(1) پہلے انہوں نے ریفرنڈم رکوانے کی کوشش کی۔

(2) کامیابی نہ ہوئی تو پختونستان کے نام سے پٹھانوں کے لیے الگ ملک کا مطالبہ کیا۔

(3) افغانستان کی حکومت سے (جن کے ساتھ خان برادران کے اس وقت بھی گہرے تعلقات تھے) آزاد پختونستان کی حمایت کے لیے انگریز گورنر جنرل ماؤنٹ بیٹن کو خطوط لکھوائے۔

(4) کوشش کی کہ اگر ریفرنڈم نہیں ٹلتا' تو اس میں صوبہ سرحد کے پاکستان اور ہندوستان کے ساتھ ملنے کے علاوہ صوبہ سرحد کے لیے ایک نئی تجویز بھی رکھی جائے' یہ کہ ووٹر تیسرے حل یعنی آزاد پختونستان کے لیے بھی ووٹ دے سکے۔

(5) یہ بات بھی نہ مانی جا سکی تو کانگریس کے اجلاس میں جا کر دہائی دی کہ ہمیں ''بھیڑیوں'' کے آگے نہ ڈالا جائے۔ گویا خان برادران کے نزدیک پاکستان اور پاکستان بنانے والے بھیڑیئے تھے۔

(6) یہاں بھی دال نہ گلی تو یہ شور مچانا شروع کیا کہ انگریز گورنر مسلم لیگ کی حمایت کر رہا ہے' حالانکہ یہ وہی اولف کیرو تھا' جس نے سب سے پہلے انہیں آزاد پختون ریاست قائم کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ ہم اس سلسلہ مضامین میں لکھ چکے ہیں کہ 60 کی دہائی میں عبدالغفار خان انگلستان گئے تو انہی اولف کیرو کے مہمان ہوئے اور انہیں سٹرٹیفکیٹ دیا کہ وہ نہایت انصاف پسند تھے اور ان کے بارے میں خدائی خدمت گاروں کے خدشات بے بنیاد تھے۔

(7) غفار خان کے اصرار پر کانگریس کی جانب سے ریفرنڈم سے پہلے انگریز گورنر کو ہٹانے کا مطالبہ کیا گیا۔

(8) 6 جون کو ماؤنٹ بیٹن نے اولف کیرو کو خط لکھا کہ مناسب یہی ہے کہ وہ طویل رخصت پر چلا جائے تاکہ کانگریس کو شکایت کا موقع نہ ملے اور 15 اگست تک (یعنی اعلان آزادی تک) چھٹی پر رہے۔ ماؤنٹ بیٹن کے اصل الفاظ ملاحظہ کریں۔ یہ ان کے خط سے اقتباس ہے:

''اگر ریفرنڈم کے دوران تم گورنر ہوئے اور کانگریس ہار گئی تو وہ الزام عائد کرنے سے باز

نہیں آئے گی کہ تم نے مسلم لیگ کی کامیابی میں اس خیال سے ان کی مدد کی کہ وہ تمہیں پاکستان بننے کے بعد (بھی بدستور) گورنر رکھیں گے۔''

(9) اس مرحلے پر 11 جون کو مسلم لیگ کے جنرل سیکرٹری نوابزادہ لیاقت علی خان نے ماؤنٹ بیٹن کو جو خط لکھا' اس کا اقتباس ملاحظہ کریں:

''اگر کانگریس کا یہ مطالبہ مانا جا رہا ہے' تو پھر مسلم لیگ کے مطالبے پر صوبہ سرحد کی کانگریس وزارت کو بھی برطرف کیا جائے' کیونکہ اس کے وزیر (ڈاکٹر خان صاحب وغیرہ) ریفرنڈم پر اثرانداز ہونے کے لیے ہر ہتھکنڈا استعمال کریں گے۔''

لیکن ماؤنٹ بیٹن نے یہ جائز مطالبہ بھی تسلیم نہیں کیا۔ انگریز کی مسلمانوں سے دشمنی دیکھیں کہ مسلم لیگ کا مطالبہ تو تسلیم نہیں کیا کہ ساری صوبائی حکومت خان برادران کے پاس ہے اور کانگریس کے مطالبے پر انگریز گورنر تک تبدیل کیا جا رہا ہے۔ اس سے تو ثابت ہوتا ہے کہ انگریز کا ایجنٹ اگر کوئی تھا تو نہرو یا خان صاحب۔ ہماری مسلم لیگ یا قائداعظمؒ پر انگریز کی نوازشات کا تو کہیں سراغ نہیں ملتا۔

(10) کانگریس اور خان برادران کے مسلسل مطالبات کے بعد 17 جون کو سر اولف کیرو کو ہٹا کر لیفٹیننٹ جنرل لاک ہارٹ کو صوبہ سرحد کا گورنر مقرر کر دیا گیا۔ بریگیڈیئر جے وی بوتھ کو ریفرنڈم کمشنر متعین کیا گیا اور افواج ہند کے 40 انگریز افسروں کو یہ کام سونپا گیا۔ پولیس کی امداد کے لیے فوج بھی مامور کی گئی۔

قارئین محترم! اس کے باوجود غفار خان نے جو کہا' سو کہا' ولی خان فرماتے ہیں کہ ریفرنڈم میں دھاندلی ہوئی اور مسلم لیگ کی جیت غلط تھی' جو سراسر جھوٹ بات ہے۔

جب نہرو، ڈاکٹر خان اور غفار خان پر گوبر پھینکا گیا

قارئین محترم! ولی خان کی کتاب ''حقائق حقائق ہیں'' کے جواب میں اب تک تین کتابیں میری نظر سے گزری ہیں، جن میں دلائل کے ساتھ ان کے اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے۔ پہلی کتاب عنایت الرحمان عباسی کی ہے، جس کا نام ہے:

''جھوٹ جھوٹ ہے'' اسے منو بھائی پرنٹرز اسلام آباد نے چھاپا۔ دوسری کتاب مسعود زاہدی کی تصنیف ہے۔ اس کا نام ہے'' ولی خان کے حقائق کی حقیقت۔'' اسے کلاسیک لاہور نے شائع کیا۔ تیسری کتاب انگریزی زبان میں ہے۔ اسے صلاح الدین خان نے لکھا اور اس کا نام ہے:

"HAD THERE BEEN NO JINNAH"

اسے مصنف نے خود ہی چھاپا۔ پتا جو درج ہے: 86 اتاترک ایونیو اسلام آباد۔ یہ کتاب اس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ دونوں اردو کتابوں میں ولی خان کے الزامات کا جواب دلائل سے دیا گیا ہے، تاہم زبان اور دلیل زیادہ تر مصنف کی ہے، لیکن صلاح الدین خان کی کتاب ایک ''ریفرنس بک'' ہے، جس میں تاریخی کتابوں کے حوالے "INVERTED COMMAS" میں دیے گئے ہیں۔

چند مثالیں ان کتابوں کے حوالے سے بھی:

ولی خان نے اپنی کتاب میں دعویٰ کیا کہ خدائی خدمت گار تحریک انگریز کے جسم میں کانٹے کے مانند تھی۔ کیا واقعی؟ سبھاش چندر بوس ہندوستان کی آزادی کے ایک ستون سمجھے جاتے

ہیں۔ان کی کتاب کا نام ہے:

"THE INDIAN STRUGGLE"

اس کے صفحہ 320 پر وہ لکھتے ہیں: ترجمہ:

''چالاک انگریز آج کل پٹھانوں سے بہت دوستی کا اظہار کر رہے ہیں' جو برصغیر کے شمال مغرب میں رہتے ہیں۔ انگریز چاہتے ہیں کہ وہاں پٹھانوں کی ایک الگ ریاست پٹھانستان بن جائے اور ان دنوں انگریز سیاستدانوں کا پسندیدہ ترین موضوع ''پٹھانستان'' ہے۔ ان کا خیال ہے کہ اس ریاست کے ذریعے وہ (انگریز) ہندوستان کے سب سے مشکل علاقے کو کنٹرول کر سکیں گے اور ان آزاد قبائل کو بھی' جو وہاں رہتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ افغانستان کے پٹھانوں کی ہمدردیاں بھی حاصل کر سکیں گے۔''

قارئین ملاحظہ کریں کہ انگریز مسلم لیگ کو استعمال کر رہے تھے یا غفار خان کو۔

اور اب یو۔وی۔ گینکو وسکی کی انگریزی کتاب "HISTORY OF PAKISTAN" سے ایک اقتباس کا اردو ترجمہ ملاحظہ ہو۔ گینکو وسکی صفحہ 92 پر لکھتا ہے:

''مسلم لیگ نے بہت بعد میں یعنی 1937ء میں سرحد میں اپنی شاخیں قائم کیں' لیکن جلد ہی وہاں اپنی جگہ مستحکم کر لی۔ عوامی سطح پر اسے بہت پذیرائی ملی۔ حتیٰ کہ اس کے سامنے پختونوں کی قومی تحریک کی ٹوٹ پھوٹ شروع ہوگئی۔''

پڑھنے والے دیکھ سکتے ہیں کہ ولی خان کے بڑوں کو سرحد میں پاکستان کے لیے ہونے والے ریفرنڈم میں شکست کیوں ہوئی اور آج اس شکست کا داغ مٹانے کے لیے کس طرح قائداعظمؒ کی اجلی شخصیت پر انگریز سے ملی بھگت کا الزام لگا رہے ہیں۔

کیا قائداعظمؒ کو انگریز پسند کرتے تھے یا کانگریس کے لیڈروں اور سرحد کے خدائی خدمت گاروں کو۔ کچھ کتابیں اس پر بھی روشنی ڈالتی ہیں:

فلپ زیگلر نے ایک کتاب ''ماؤنٹ بیٹن'' لکھی ہے۔ اس کتاب کے صفحہ 394 پر موجود چند سطروں کا اردو ترجمہ:

''ماؤنٹ بیٹن نے جناح کے ساتھ بحث کی کہ ہندوستان اور پاکستان کے لیے مشترکہ گورنر جنرل ہی پاکستان کو اس کے اثاثہ جات دلا سکتا ہے' لیکن جناح پر کوئی اثر نہ ہوا۔ میں نے پوچھا

کہ جناح صاحب آپ جانتے ہیں کہ ماؤنٹ بیٹن کو پاکستان کا گورنر جنرل نہ تسلیم کرنا آپ کو کتنا مہنگا پڑے گا۔ جناح نے افسردہ لہجے میں کہا ''ہوسکتا ہے کہ پاکستان کو کروڑوں کا نقصان ہو۔'' اس پر میں نے کہا ''جناب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ پاکستان کو مشترکہ اثاثوں میں سے کچھ بھی نہ ملے اور اس طرح پاکستان کا مستقبل داؤ پر لگ جائے۔'' لیکن جناح پر کوئی اثر نہ ہوا اور وہ کسی قیمت پر ماؤنٹ بیٹن کو گورنر جنرل بنانے پر رضامند نہ ہوئے۔''

قارئین محترم! آپ دیکھ سکتے ہیں کہ ولی خان، جس مسلم لیگ اور جس قائداعظمؒ پر انگریز سے ملی بھگت کا الزام عائد کرنے کے ساتھ ساتھ دشنام طرازی کر رہے ہیں، وہ قائداعظم کسی شرط پر ماؤنٹ بیٹن کو اپنا گورنر جنرل ماننے کے لیے تیار نہیں۔ اس کے برعکس زیگلر ہی نے لکھا ہے کہ پنڈت نہرو ماؤنٹ بیٹن کی بہت تعریفیں کرتے تھے۔ درج ذیل اقتباس ملاحظہ کریں، جو کتاب ''ماؤنٹ بیٹن'' کے صفحہ 425 پر ہے:

''جب ہندوستان کی آزادی کی سرکاری تقریبات شروع ہوئیں تو سو سو افراد پر مشتمل چار گارڈز آف آنرز کے گروپ اور پولیس کی بھاری جمعیت بھی کانگریسی ورکروں کے جوش و خروش پر قابو نہ پاسکی، جو مسلسل نعرے لگا رہے تھے ''ماؤنٹ بیٹن کی جے۔''

''لیڈی ماؤنٹ بیٹن کی جے''

''پنڈت ماؤنٹ بیٹن کی جے''

پڑھنے والے دیکھ سکتے ہیں کہ قائداعظمؒ تو ماؤنٹ بیٹن کے اصرار کے باوجود انہیں گھاس نہیں ڈالتے، لیکن کانگریس کی لیڈرشپ ان کے لیے نعرے لگواتی ہے، انہیں گورنر جنرل مانتی ہے، پھر ایجنٹ کون ہوا؟

قارئین محترم! خود انگریز سیاستدان اور برطانوی حکومت کے اہم عہدیدار تقسیم کے بارے میں کیا کہتے ہیں، اس کا جائزہ بھی دلچسپ ہوگا، کیونکہ اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ کیا ولی خان کے بقول انگریز جاتے ہوئے برصغیر کی تقسیم چاہتا تھا، اس لیے اس نے قائداعظمؒ اور مسلم لیگ کو پروموٹ کیا، یا حقیقت اس کے برعکس یہ تھی کہ مسلمان کانگریس سے تنگ آچکے تھے اور وہ خود کو غیر محفوظ سمجھتے تھے۔

قارئین! کرپس کا نام آپ نے سنا ہوگا۔ کرپس مشن سر سٹیفورڈ کرپس کے نام سے مشہور

ہے' جو ہندوستان میں مسلمانوں اور ہندوؤں کے مطالبات اور حکومت خود اختیاری سے لے کر آزادی تک کے نعروں اور مطالبوں کا جائزہ لینے آیا تھا۔ ان کی سوانح عمری کے صفحہ 201 پر اقتباس دیکھیں:

''جناح کی طرف سے پاکستان کا مطالبہ ایک طرف تھا اور برطانوی حکومت کا یہ مصمم ارادہ کہ برطانوی ہند کو ایک ہی ریاست رکھا جائے۔ دوسری طرف' ان دونوں کے درمیان بے انتہا فاصلہ تھا۔''

جناب' کیا اس سے ثابت نہیں ہوتا کہ انگریز پاکستان نہیں' متحدہ ہندوستان چھوڑ کر جانا چاہتے تھے۔ سی آر ایٹلی قیام پاکستان کے دنوں میں برطانیہ کے وزیراعظم تھے۔ ان کی کتاب کا نام ہے:

"AS IT HAPPENED"

اس کتاب کے صفحہ 182 کے اقتباس کا اردو ترجمہ:

''مجھے اور میرے شرکائے کار کو بہت مشکل پیش آ رہی تھی کہ ہندوستان کو دو حصوں میں کیسے تقسیم کریں۔ ہم نے وائسرائے انڈیا کے ساتھ مل کر اپنی کابینہ سمیت کئی گھنٹے اس بحث پر صرف کیے' کیونکہ کئی سال پہلے جب میں سائمن کمیشن کا ممبر تھا' تو میں نے پاکستان کا ذکر سنا تھا' جو پنجاب' سندھ' کشمیر' بلوچستان اور شمال مغربی سرحدی صوبے کے علاوہ مشرقی بنگال پر مشتمل ہوگا' لیکن اس وقت پاکستان ایک خواب نظر آتا تھا' جب کہ اب یہ خواب حقیقت بن چکا تھا اور جناح اس خواب کے پیامبر تھے۔''

قارئین محترم! کیا واقعی انگریز چاہتا تھا کہ ہندوستان کو دو حصوں میں تقسیم کر کے یہاں سے رخصت ہو۔ پاکستان اور قائداعظمؒ کے مخالفین اس سلسلے میں ہمیشہ الزام لگاتے ہیں۔ آیئے وزیراعظم برطانیہ ایٹلی کے اپنے الفاظ میں ملاحظہ کریں۔ اس کے بعد مزید بحث کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ صفحہ 211 اردو ترجمہ:

''ہم لوگ تو اس بات کو ترجیح دیتے تھے کہ ہندوستان متحد اور ایک رہے' لیکن پوری کوشش کے باوجود ہم ایسا نہ کر سکے۔ ہماری خوش قسمتی تھی کہ ہمیں نہرو مل گیا تھا۔ ان کی ماؤنٹ بیٹن کی خوب بنتی تھی۔ ہندوستانی چاہتے تھے کہ ماؤنٹ بیٹن کو ہی اپنا پہلا گورنر جنرل مقرر کریں۔

حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان کی تقسیم ہرگز ہرگز ہماری خواہش نہیں تھی۔ ہم تو مسلمانوں کے لیے ہر قسم کے تحفظات مہیا کرنے کو تیار تھے، لیکن مسلمان (قائداعظمؒ کی سربراہی میں مسلم لیگ) کسی صورت اس کے لیے تیار نہ ہوئے۔ وہ ایک ہی بات پر اڑ گئے کہ پاکستان کے نام پر مسلمانوں کی الگ ریاست حاصل کر کے رہیں گے۔''

اور اب آیئے، ایک بار پھر صوبہ سرحد میں ہونے والے ریفرنڈم کی طرف۔

قارئین کے لیے یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ صوبہ سرحد میں مسلمانوں اور ہندوؤں کا تناسب کیا تھا۔ 1941ء کی مردم شماری کے سرکاری اعداد و شمار یہ تھے۔

کل آبادی:- 30 لاکھ 38 ہزار 67 لوگ۔

مسلمانوں کی آبادی: -27 لاکھ 28 ہزار 797 لوگ۔

مسلمانوں کا تناسب:- 91.7 فیصد۔

ہندوؤں کا تناسب:- 5.94 فیصد۔

دیگر مذاہب:- 2.27 فیصد۔

جناب ولی خان کے والد صاحب اور دیگر خدائی خدمت گاروں کو ریفرنڈم میں اپنی شکست

نہرو اور گاندھی

نہیں بھولتی، مگر وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ غفار خان کا اصل مسئلہ یہ تھا کہ وہ کم وبیش 92 فیصد مسلمانوں کے برعکس 6 فیصد ہندوؤں سے مل کر سیاست کر رہے تھے۔ مسلم اکثریت کی آبادی میں گاندھی کو گرو کہنا' اس کے ساتھ مل کر عبادت کرنا' اپنے بچوں کی شادیاں غیر مسلموں میں کرنا' ایسے کام تھے، جنہیں مسلمانوں کی اکثریت نے ناپسند کیا اور ظاہر ہے ان کا انجام یہی ہونا تھا۔

خود ولی خان پاکستان بننے کے بعد اگر اتحادوں کی سیاست کے کندھوں پر سوار نہ ہوتے اور 1997ء میں پی این اے' 1990ء میں آئی جے آئی اور 1997ء میں مسلم لیگ کے ساتھ سیاسی مفاہمت کر کے ان کا ووٹ بینک بھی اپنی سیٹوں میں شامل نہ کرواتے' تو ڈیڑھ دو ضلعوں کی یہ جماعت کبھی اس پوزیشن میں نہیں آسکتی تھی کہ باچا خان کے خواب یعنی پختونخوا کے نام سے پختونستان کے لیے دوبارہ کام شروع کر سکتی۔

قارئین محترم! اس مسئلے کا ایک اور پہلو یہ ہے کہ عبدالغفار خان اپنی تمام تر سماجی اور تعلیمی خدمات کے باوجود جب ٹوٹ کر کانگریس کی جھولی میں گرے' تو ان کا کیا حشر ہوا اور مسلمانوں کی اجتماعی رائے کے خلاف جانے پر ان کی سیاسی قوت کیونکر سکڑی' اس ضمن میں حسب ذیل دو اقتباسات ملاحظہ کریں۔ یہ دونوں اقتباسات چارلس ملر کی کتاب:

"KHYBER BRITISH INDIAS NORTH WEST FRONTIER"

سے لیے گئے ہیں۔ پہلا اقتباس:

1946ء کے موسم سرما میں جب نہرو پشاور ایئرپورٹ پر اپنے جہاز سے نکلے تو پولیس نے بمشکل بپھرے ہوئے قبائلی مسلمانوں کے ہجوم کو روکا تھا' جو پنڈت نہرو کے خلاف نعرے لگا رہے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں کالے جھنڈے تھے۔ جونہی نہرو کی گاڑی پہاڑیوں میں پہنچی تو اطراف سے پتھروں کی بارش ہونے لگی۔ خیبر پاس میں تو آفریدی قبائلیوں کے گروہ نے نہرو کی کار پر حملہ کر دیا تھا اور اگر مسلح پولیس نے انہیں زبردستی نہ روکا ہوتا تو وہ کار الٹ دیتے۔ یہ بات حیران کن تھی کہ نہرو کس طرح صحیح سلامت دلی واپس پہنچ گئے تاہم کانگریس کو یہ پیغام ضرور مل گیا کہ سرحد میں ان کی چھٹی ہو چکی ہے' لیکن پنڈت نہرو اس نتیجے کو ماننے کے لیے تیار نہیں تھے۔ انہوں نے خان صاحب کی سرکاری مشینری میں اور فنڈز جھونک دیئے۔ 1947ء کے اوائل

میں یہ ساری ''سرمایہ کاری'' بیکار ہو چکی تھی' کیونکہ کانگریس کے خلاف پورے صوبہ سرحد میں ہنگامے ہو رہے تھے۔''

دوسرا اقتباس دیکھیے:

''خان صاحب (ڈاکٹر خان صاحب وزیراعلیٰ سرحد) کی پوزیشن سنگین ہوتی جا رہی تھی۔ انہوں نے پشاور مسلم لیگ کے صدر کو سینکڑوں ساتھیوں سمیت گرفتار کرنے کا حکم دے دیا' لیکن اس سے پٹھان قبائل اور مشتعل ہو گئے۔ عورتیں پشاور جیل کی دیواروں پر چڑھ گئیں تاکہ اسلام کا سبز پرچم لہرا سکیں۔ ڈاکٹر خان صاحب کے پُتلے بازاروں میں جلائے گئے۔ ریل کی پٹڑیوں کو بلاک کر دیا گیا' حتیٰ کہ گاڑیوں کی آمد و رفت وقتی طور پر رک گئی۔''

قارئین! یہ تھے وہ حالات' جن میں برطانوی حکومت مجبور ہوئی کہ وہ صوبہ سرحد میں کانگریسی حکومت اور صوبائی اسمبلی میں ان کی جھوٹی اکثریت کے باوجود براہ راست عوام سے ریفرنڈم کے ذریعے یہ سوال پوچھے کہ سرحد کے مسلمان کانگریسی حکومت کی حمایت میں بھارت کے ساتھ شامل ہونا چاہتے ہیں' یا پاکستان کے ساتھ۔

قارئین محترم! اب ایک آخری حوالہ دیکھیں۔ اس کے بعد مزید کسی ثبوت کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ مسٹر کرٹس قیام پاکستان سے پہلے مردان کے ڈپٹی کمشنر تھے۔ ان کے سپرد یہ کام ہوا کہ وہ پنڈت نہرو کو وزیراعلیٰ سرحد ڈاکٹر خان صاحب اور غفار خان سمیت اپنے ضلع سے گزار کر مالاکنڈ تک پہنچائیں۔ کرٹس نے اس کا جو حال لکھا ہے یہ حال سرکاری خط و کتابت اور سنٹرل حکومت کو بھیجی جانے والی رپورٹ سے لیا گیا ہے۔ کتاب کا نام ہے: "VICEROY'S AGENT" اس کے مصنف چارلس چینوک ٹرینچ ہیں۔ صفحہ 322 سے 327 تک:

''واپسی کے سفر میں پنڈت نہرو کی کار روک لی گئی اور حملے کے نتیجے میں ڈاکٹر خان صاحب کے کپڑوں پر خون کے دھبے پڑ گئے۔ کار کے تین شیشے ٹوٹ گئے تھے۔ پنڈت نہرو کی ٹھوڑی پر زخم آ گیا۔ عبدالغفار خان کے ناک پر بھی چوٹ لگی۔ ڈاکٹر خان صاحب (غصے میں) بار بار ایک ماؤزر لہراتے تھے۔''

''چند میل آگے جا کر کچھ لوگوں نے پنڈت نہرو کی کار پر گوبر پھینکا' جس سے ان کے چہرے آلودہ ہو گئے۔ ڈاکٹر خان صاحب چیختے ہوئے کار سے نکلے۔ انہوں نے کہا ''گولی

چلاؤ' گولی چلاؤ'' سارے مشہور سیاستدان چیختے ہوئے کار سے نکلے۔ انہوں نے مجھے کہا کہ اب آپ جو مجمع دیکھیں اس پر گولی چلا دیں۔ ڈاکٹر خان صاحب نے کہا'' میں وزیر ہوں' میرے پاس لاء اینڈ آرڈر کا چارج ہے۔'' پنڈت نہرو نے کہا'' آپ گولی چلائیے' سارے لوگ بھاگ جائیں گے۔''

آگے چل کر ڈپٹی کمشنر کرٹس لکھتا ہے:

''میں نہیں چاہتا تھا کہ ایک ''سیٹل'' ضلع میں فائرنگ کروں۔ چنانچہ میں نے لاٹھی بردار پولیس منگوائی۔ معلوم ہوا کہ آگے سڑک پر جا بجا اپوزیشن کے لوگ جمع ہیں۔ تب میں نے فیصلہ کیا کہ اس وقت تک قافلہ نہیں چلاؤں گا' جب تک پنڈت نہرو' ڈاکٹر خان صاحب اور عبدالغفار خان کار کے بجائے فرنٹیئر کانسٹیبلری کی لاری میں نہ بیٹھ جائیں' لیکن ان تینوں نے انکار کر دیا۔''

''اس پر مجھے اپنے آپ پر تعجب ہوا کہ میں نے فوراً ایک شاندار تقریر کی اور پنڈت نہرو سے کہا کہ آپ زبردست انسان ہیں اور آپ نہیں جانتے کہ آپ کی کتنی بین الاقوامی اہمیت ہے اور آپ کی جان کتنی قیمتی ہے اور آپ کو حفاظت سے پہنچانا میرا کس قدر اہم فرض ہے۔ میرا یہ ''ٹرک'' کام آ گیا اور وہ لاری میں بیٹھ گئے اور ہم پشاور پہنچے۔ جہاں ڈاکٹر خان صاحب نے

مجھے گلے سے لگایا اور کہا کہ تم نے واقعی فائر کرنے کا حکم نہ دے کر اچھا کیا۔''

محترم قارئین! اس سے بھی آگے مردان کے ڈپٹی کمشنر مسٹر کرٹس لکھتے ہیں:

''پنڈت نہرو کو ڈاکٹر خان صاحب نے سب ہرا ہرا دکھایا تھا۔ ڈاکٹر خان صاحب نے اس سفر میں کچھ حماقت سے کام لیا اور کچھ ہسٹریائی انداز اختیار کیا' لیکن بات ٹل گئی۔ پنڈت نہرو پشاور سے رخصت ہوئے تو یقیناً انہیں معلوم ہو گیا ہو گا کہ ڈاکٹر خان صاحب کی یہ یقین دہانی کہ صوبہ سرحد میں کانگریس کی پوزیشن بہت مضبوط ہے' کس قدر مضحکہ خیز اور فضول ہے۔''

کیا ان واقعات کے بعد بھی ولی خان ریفرنڈم میں ہارنے کے بہانے تلاش کریں گے' یا یہ کہیں گے کہ دھاندلی ہوئی تھی۔ غضب خدا کا' سنٹرل حکومت انگریز وائسرائے ماؤنٹ بیٹن کی تھی' جس کے خیالات ہم اوپر بیان کر چکے ہیں اور جو کانگریس کے اتنے لاڈلے تھے' صوبائی حکومت کانگریس اور خدائی خدمت گاروں کی تھی' جس کے سربراہ ولی خان کے تایا ڈاکٹر خان صاحب تھے۔ انگریز گورنر تک انہوں نے شکایت کر کے تبدیل کرا دیا تھا۔ پھر بھی دھاندلی کی شکایت ولی خان اور ان کے بزرگوں کی ہٹ دھرمی نہیں تو اور کیا ہے؟
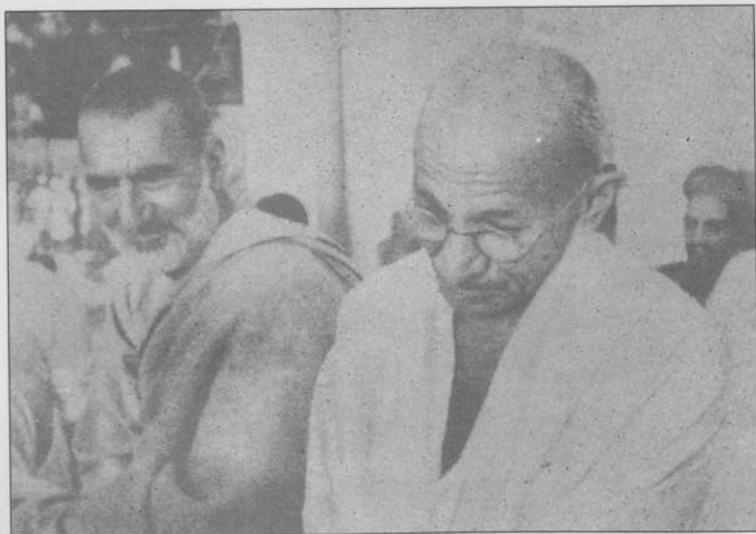
انڈین گاندھی اور سرحدی گاندھی
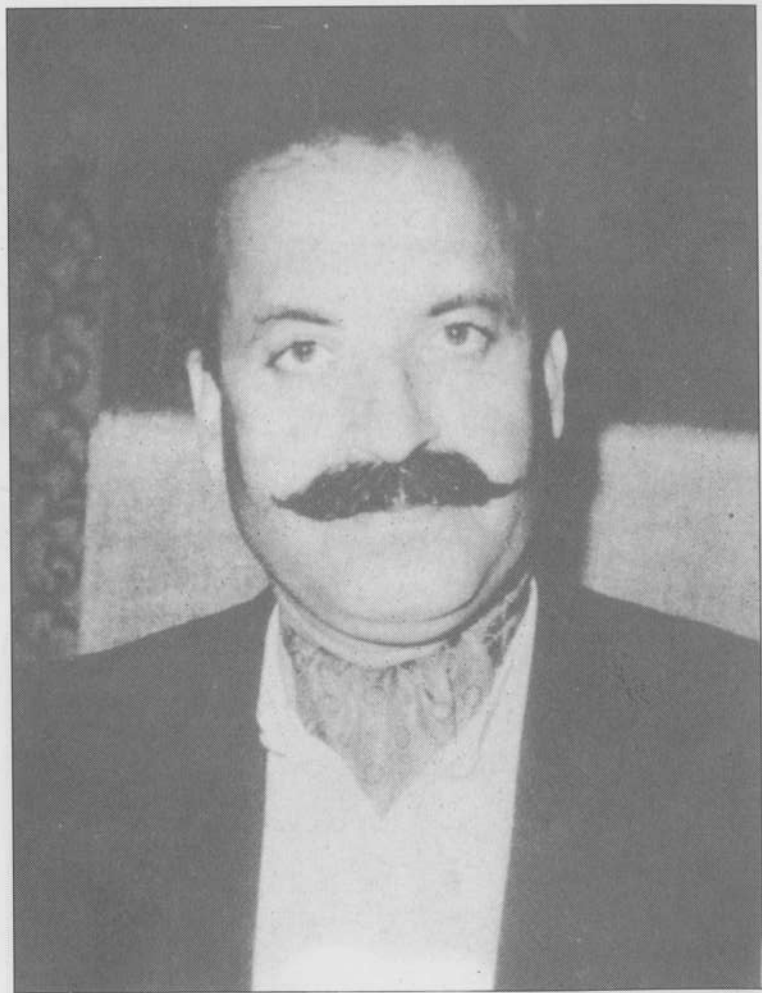
مہتاب خان عباسی

زبان ولی خان کی......
پروگرام غفار خان کا......

محترم قارئین! جناب ولی خان کے بارے میں سلسلۂ مضامین کا ایک حصہ یعنی جب پاکستان بن رہا تھا تو ولی خان کے والد جناب غفار خان نے کس طرح کانگریس کے ساتھ مل کر پاکستان کو روکنے کی کوشش کی۔

اس میں کامیاب نہ ہوئے تو انگریز کی سازش پر عمل کرتے ہوئے سابق صوبہ سرحد کی جگہ پختونستان کا مطالبہ کیا۔

اس میں بھی کامیابی نہ ہوئی تو یہ مطالبہ کیا کہ ریفرنڈم میں ہندوستان اور پاکستان کے ساتھ شمولیت کے علاوہ ایک سوال یہ بھی رکھا جائے کہ کیا سرحد کے لوگ الگ آزاد پختون ریاست ''پختونستان'' کے حق میں ہیں۔

اس میں بھی کامیابی نہ ہوئی تو یہ مطالبہ کیا کہ ریفرنڈم کے بجائے صوبائی اسمبلی سے رائے لی جائے، جس میں ان کے بھائی ڈاکٹر خان صاحب کانگریسی وزیر اعلیٰ تھے۔

لیکن سرحد کے مسلمانوں کی اکثریت صوبائی حکومت کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئی۔

6 فیصد ہندوؤں کے مقابلے میں 92 فیصد مسلمانوں کی غالب تعداد پاکستان کے مقابلے میں کانگریس کے ہندوستان کے ساتھ ملنے یا الگ پختون ریاست بنانے کے بجائے پاکستان کے حق میں اٹھ کھڑی ہوئی۔ جابجا ہنگامے پھوٹ پڑے۔ نہرو، غفار خان اور ڈاکٹر خان صاحب کی کار پر حملے ہوئے۔

مسلمان عورتیں تک باہر نکل آئیں اور انہوں نے سرکاری عمارتوں پر مسلم لیگ کا جھنڈا لہرا

دیا۔

اس کے بعد غفار خان اور ڈاکٹر خان صاحب واویلا کرنے کانگریس کی سنٹرل ورکنگ کمیٹی میں پہنچے۔

وہاں شور مچایا کہ کانگریس ہمیں بھیڑیوں کے آگے پھینک رہی ہے۔

(بھیڑیوں سے مراد قائد، مسلم لیگ اور پاکستان کے حامی تھے)

پھر کہا کہ ریفرنڈم ہوتا ہے تو انگریز گورنر سر اولف کیرو مسلم لیگ کی حمایت کرے گا۔

ان کے مطالبے پر گورنر کو تبدیل کر دیا گیا۔

پھر ہنگامہ کیا کہ پنجاب سے ریفرنڈم میں دھاندلی کے لیے لوگ آ رہے ہیں۔

اس پر برطانوی ہند کی حکومت نے چالیس انگریز فوجی افسر بھیجے جن کی نگرانی میں ریفرنڈم ہوا۔

اور سلسلہ مضامین کے پہلے حصے یعنی قیام پاکستان تک ولی خان کے بزرگوں کا کیا کردار رہا، اس کے باوجود پاکستان کے حق میں ریفرنڈم میں بالآخر کیا ہوا، اس کی تفصیل جاننے کے لیے صرف دو اہم ترین آرا شامل ہیں۔ اول برطانوی ہند کے وائسرائے ماؤنٹ بیٹن کی (جس کی کانگریس اور ہندو نوازی کی مثالیں پہلے پیش کی جا چکی ہیں) اپنی تحریر کردہ سیکرٹ رپورٹ ہے۔ دوسرے بانیٔ پاکستان قائداعظمؒ کا پختونستان بننے پر خطاب، آئیے دیکھیں:

ریفرنڈم کے نتائج پر ماؤنٹ بیٹن کا تبصرہ

تمام سرکاری ریکارڈ سے ثابت ہے کہ ریفرنڈم 6 جولائی سے 17 جولائی 1947ء تک جاری رہا۔ وزیراعلیٰ سرحد ڈاکٹر خان صاحب، خدائی خدمت گار، تحریک کے سربراہ غفار خان اور صوبائی کانگریس کے عہدیداروں اور ارکان نے ریفرنڈم کا مکمل بائیکاٹ کیا۔ اس کے باوجود نتائج کے بارے میں خود وائسرائے کی پرسنل رپورٹ ملاحظہ ہو۔

Vicerory's Personal Report No. 14

TOP SECRET

PERSONAL 25 July 1947

The referendum in the Frontier Province resulted in an overwhelming vote for

خان عبدالقیوم خان، سابق وزیر اعلیٰ صوبہ سرحد

joining Pakistan, which was inevitable in view of the boycott carried out by the Congress party. The actual figures were:

Valid votes for Pakistan	289,244
Valid votes of Hindustan	2, 874
Majority	286,370

Percentage of valid votes to electorate entitled to vote was 59.99

Valid votes cast in last election were 375,989 Total electorate entitled to vote in referendum was 572,798; therefoer votes for Pakistan were 50.49%

It is particularly satisfactory that over 50% of the total electorate voted for joining Pakistan (and the total votes cast were only 15% less than Last time without a boycott) as that disposes of any possible argument on the Congress side that, inspite of the boycott, the Province was not really in Favour of joining Pakistan.

Before I visited the N.W.F.P at the end of April, I was assured by Nehru and by other Congress leaders that any form of election of even referendum would be a gross injustice, since the last election had proved conclusively that the Frontier was solidly against Pakistan. My argument was that the vote against Pakistan was really a vote for a united India, and that once India was to be partitioned they had to be given a fresh chance of deciding which of the two new States they would join.

My visit to the N.W.F.P confirmed me in the view that they would join Pakistan. I am , therefore particularly glad that I insisted on the referendum inspite of the strongest possible Opposition up to the morning of the 3rd June from Congress. They also prophesied that there would be the most frightful rioting and bloodshed if I insisted on the referendum . It is, therefore, all the more satisfactory to record the absence of any really serious disturbance during the ten days which referendum occupied.

قارئین! اب اس رپورٹ کا ترجمہ پڑھیے۔

وائسرائے پرسنل رپورٹ نمبر 14 ٹاپ سیکرٹ / پرسنل

25 جولائی 1947ء

سرحد میں ریفرنڈم کے نتائج کے مطابق بھاری اکثریت نے پاکستان میں شامل ہونے کا فیصلہ کیا جو کانگریس پارٹی کے بائیکاٹ کا حتمی نتیجہ بھی تھا۔ اصل اعداد وشمار یہ تھے۔

پاکستان کے حق میں ووٹ	289,244
ہندوستان کے حق میں ووٹ	2874
اکثریت	286,370
ڈالے گئے ووٹوں کی تعداد کا تناسب	55.99 فیصد
گزشتہ الیکشن میں ڈالے گئے ووٹ	375,989
کل ووٹر جو ووٹ ڈال سکتے تھے	572,798
پاکستان کے حق میں فیصد	50.49

''یہ بات اطمینان کا باعث ہے کہ ریفرنڈم میں پچاس فیصد سے زائد ووٹروں نے پاکستان کے حق میں ووٹ ڈالے اور کل ووٹ جو ریفرنڈم میں کاسٹ کیے گئے، وہ گزشتہ الیکشن کے موقع پر کاسٹ کیے جانے والے ووٹوں سے صرف 15 فیصد کم تھے۔ یہ کمی بائیکاٹ کے باعث ہوئی۔ گویا کانگریس کے پاس اب اس بات کی کوئی دلیل باقی نہیں رہی کہ صوبہ سرحد کے لوگ پاکستان کے ساتھ شامل ہونا نہیں چاہتے تھے۔''

گزشتہ مرتبہ جب میں نے سرحد کا دورہ کیا جو کہ اپریل کے آخر میں تھا تو مجھے نہرو صاحب اور کانگریس کے دوسرے زعما نے کہا تھا کہ سرحد میں کسی قسم کا ریفرنڈم ناانصافی ہوگی کیونکہ آخری الیکشن میں عوام نے کانگریس کی حکومت بنا کر یہ ثابت کر دیا تھا کہ صوبہ سرحد پاکستان کے قیام کے خلاف ہے۔

''میری دلیل یہ تھی کہ اب جب کہ ہندوستان کی تقسیم ہو رہی تھی، عوام کو ایک نیا موقع ملنا چاہئے تا کہ وہ فیصلہ کر سکیں کہ انہوں نے دونوں ملکوں میں سے کس کے ساتھ رہنا ہے۔

سرحد کے دورے میں (حالات دیکھ کر) یہ خیال مضبوط ہو گیا تھا کہ یہاں کے لوگ

گاندھی' لیڈی اور لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ

پاکستان ہی کے ساتھ شامل ہونے کا فیصلہ کریں گے۔ چنانچہ میں خاص طور پر اس لیے خوش ہوں کہ 3 جون کی صبح سے کانگریس کی سخت ترین مخالفت کے باوجود ریفرنڈم کرایا گیا تو سخت خون خرابہ ہوگا، لیکن یہ بات ریکارڈ پر لاتے ہوئے مجھے بہت اطمینان ہو رہا ہے کہ دس دن تک ریفرنڈم کے دوران

بدامنی یا خون خرابے کا کوئی واقعہ رونما نہیں ہوا۔

قارئین محترم! اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ خان برادران کے دعوے کس حد تک جھوٹ تھے۔ سرحد کے مسلمانوں نے کھل کر پاکستان کے حق میں ووٹ دیا اور آج بھی یہی کیفیت ہے۔ خان برادران کی طرف سے بائیکاٹ سے ووٹ کا تناسب البتہ 65 فیصد (سابق الیکشن) کے بجائے 51 فیصد رہا۔ یعنی 14 یا 15 فیصد کم، لیکن جب ایک فریق میدان سے بھاگ جائے تو دوسرے فریق کو ووٹر قدرتی طور پر یہ سمجھ لیتے ہیں کہ اب ووٹ ڈالنے کی بھی ضرورت نہیں۔ اس کے باوجود اگر خان برادران اور کانگریس بائیکاٹ نہ کرتے تو زیادہ سے زیادہ دس فیصد ووٹ لے سکتے تھے۔ پھر بھی نوے فیصد ووٹر پاکستان کے حق میں ووٹ دیتے۔ آج تو ان کی حقیقی طاقت صوبے میں اس سے بھی کم ہے۔ اگر ولی خان کو اپنی طاقت آزمانا ہو تو کھل کر باچا خان کا پروگرام اپنائیں اور پھر سرحد اسمبلی یا قومی اسمبلی کے لیے کوئی سیٹ جیت کر دکھائیں۔ ریفرنڈم کی کامیابی پر قائداعظم نے کہا تھا:

مفتی مدرار اللہ مدرار اپنی کتاب ''عبدالغفار خان' سیاست وعقائد'' میں لکھتے ہیں:

قائداعظم محمد علی جناح نے ریفرنڈم میں خان برادران کی ناکامی اور مسلم لیگ کی شاندار کامیابی پر 30 جولائی کو صوبہ سرحد اور قبائلی علاقہ جات کے بارے میں اپنی پالیسی کا اعلان کرتے ہوئے کہا،

''صوبہ سرحد میں ریفرنڈم کے نتائج نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ پٹھانوں کی قطعی اکثریت پاکستان میں شامل ہونے کے حق میں ہے۔ اس نتیجہ کے بارے میں کسی کو شک وشبہ نہ تھا اور تمام ملت اسلامیہ نے اس پر بے حد اطمینان کا اظہار کیا ہے۔ اب جبکہ ہر طرف ریفرنڈم کے نتائج کا اعلان ہو چکا ہے، تو ہمیں تعمیر پاکستان کا کام فوراً شروع کر دینا ہوگا۔ جہاں تک صوبہ سرحد کے پٹھانوں کا تعلق ہے، انہیں پاکستان میں اپنی سماجی، ثقافتی اور سیاسی ترقی کے لئے

مکمل آزادی ہوگی۔ انہیں پاکستان کے دوسرے صوبوں اور حصوں کی طرح مکمل حکومت خود اختیاری حاصل ہوگی۔ جہاں تک قبائلی علاقوں کا تعلق ہے، انہیں پاکستان میں اپنی سماجی، ثقافتی اور سیاسی ترقی کے لئے مکمل آزادی ہوگی۔ انہیں پاکستان کے دوسرے صوبوں اور حصوں کی طرح مکمل حکومت خود اختیاری حاصل ہوگی۔ جہاں تک قبائلی علاقوں کا تعلق ہے، انہوں نے شروع ہی سے مسلمانان ہند کی طرف سے آزاد اسلامی ریاست کے مطالبہ کی پوری حمایت کی ہے اور مجھے ان کی اس امدادی وحمایت پر ہمیشہ بہت خوشی ہوئی ہے۔ میں اپنی حکومت کی طرف سے انہیں یقین دلانا چاہتا ہوں کہ جب تک قبائلی اور حکومت پاکستان کے نمائندوں میں نئے معاہدات نہیں ہو جاتے، ہم موجودہ معاہدات اور الاؤنسوں کا سلسلہ جاری رکھیں گے۔ حکومت پاکستان قبائلی علاقوں کی روایات وآزادی میں کسی قسم کی مداخلت کا ارادہ نہیں رکھتی۔ اس کے برعکس ہمیں اس امر کا بھی احساس ہے کہ ہماری ریاست کو ہر مرحلہ پر قبائلیوں کی امداد و ہمدردی حاصل ہوتی رہے گی۔ آخر میں، میں صوبہ سرحد کے مختلف عناصر اور قبائلی علاقوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ ماضی کے اختلافات اور تنازعات کو قصۂ ماضی تصور کرتے ہوئے ایک صحیح جمہوری و اسلامی حکومت کے قیام میں حکومت پاکستان سے تعاون کریں۔''

☆......☆......☆

قارئین محترم! یہاں پہنچ کر ساری بحثیں اور سارے واقعات اپنے منطقی انجام میں ڈھل جاتے ہیں۔ پاکستان بننے کے بعد جناب غفار خان نے کیا سیاسی کردار ادا کیا، قائداعظمؒ سے ان کی ملاقاتوں کے بارے میں ان کا اور جناب ولی خان کا کیا موقف ہے اور دوسرے ذرائع کیا کہتے ہیں، انہوں نے کس طرح نیپ (نیشنل عوامی پارٹی) بنائی۔ افغانستان کی حکومت اور بھارت کی کانگریسی حکومت سے ان کے کسی قسم کے تعلقات رہے۔ وہ کتنی بار افغانستان اور کتنی بار بھارت گئے۔ بھارت سے انہیں 30 یا 35 لاکھ روپے کے نذرانے کیسے ملے۔ یہ رقم انہوں نے افغانستان میں کیوں جمع کروائی۔ انہوں نے پاکستان توڑنے اور سرحد کی جگہ دوبارہ پختونستان قائم کرنے کے لئے بھارتی حکومت سے گاندھی کی یقین دہانیوں کے مطابق کیوں کر مدد مانگی۔ وہ پاکستان کی سرزمین کے بجائے افغانستان کی زمین پر کیسے دفن ہوئے، جو ان کی وصیت کا حصہ تھا۔ 1975ء میں نیپ پر کس طرح پابندی لگی، سپریم کورٹ

میں ولی خان نے نیپ کے عہدیدار اجمل خٹک کے فرار ہو کر کابل جانے اور وہاں بیٹھ کر حکومت پاکستان کے خلاف منصوبے بنانے اور آزاد پختونستان کے لئے بیان بازی کی مہم چلانے والے اجمل خٹک کے بارے میں کیا کہا، اور وہی اجمل خٹک آج ان کی نئی پارٹی کا صدر کیوں ہے؟ نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی کے زیر اہتمام پی این اے کی تحریک میں حصہ لینے کے بعد موجودہ اے این پی کیسے معرض وجود میں آئی، اس کا پروگرام اور منشور کیا ہے، نیپ پر پابندی کے سلسلے میں سپریم کورٹ آف پاکستان نے 1975ء میں ولی خان اور ان کے والد جناب غفار خان کے بارے میں کیا فیصلے دیئے۔ خود ولی خان نے اصول پسندی کا دعویٰ کرنے کے باوجود مختلف وقتوں میں کس طرح مختلف موقف بدلے۔ اے این پی کی آج تک کی تاریخ کیا ہے۔ کیا تاریخ رہی اور اس کا منشور، پروگرام اور اندرونی ساخت کیا ہے۔ ولی خان بظاہر اس میں نہ ہوتے ہوئے کیوں اس کے رہبر اور سرپرست کہلاتے ہیں۔ موجودہ سیاسی بحران میں ان کا کیا کردار رہا۔ جس پیپلز پارٹی کے خلاف انہوں نے طویل جنگ لڑی، وہ آج اس کے قریب کیوں جا رہے ہیں۔ صوبائی حقوق سے ان کی کیا مراد ہے اور ولی خان 1973ء کے آئین پر دستخط کرنے کے باوجود آج واضح طور پر اسے توڑتے ہوئے وہ حقوق بھی کیوں طلب کر رہے ہیں، جو آئین پاکستان نے وفاقی حکومت کو دیئے؟؟؟

ان سارے موضوعات پر میں نے اور میرے ساتھیوں نے اس قدر معلومات جمع کی ہیں کہ کم وبیش سترہ، اٹھارہ قسطوں کا مواد تیار ہے، جسے پھر کبھی پیش کیا جائے گا۔

تاہم سلسلہ مضامین ختم کرنے سے پہلے میں اس سوال کا جواب دینا چاہتا ہوں کہ جناب غفار خان اور جناب ولی خان کے حامیوں کے بقول میں نے ان کے بزرگوں کو گالیاں دی ہیں، یا میں نے گڑے مردے اکھاڑے ہیں۔

خان صاحب! آپ غفار خان کا پروگرام لائیں گے تو جواب سننا پڑے گا۔

قارئین محترم! 1975ء میں سپریم کورٹ میں بھٹو حکومت کے نیپ پر پابندی لگانے کے سلسلے میں جب جناب غفار خان کے بیانات یا اس کی سیاسی سرگرمیوں کا حوالہ زیر بحث آیا، تو جناب ولی خان نے ایک تاریخی جملہ کہا تھا، جو سپریم کورٹ میں جناب جسٹس حمود الرحمٰن کے فیصلے میں محفوظ ہے۔ ان کے اصل الفاظ یہ ہیں کہ جناب ولی خان نے کہا کہ "خان عبدالغفار
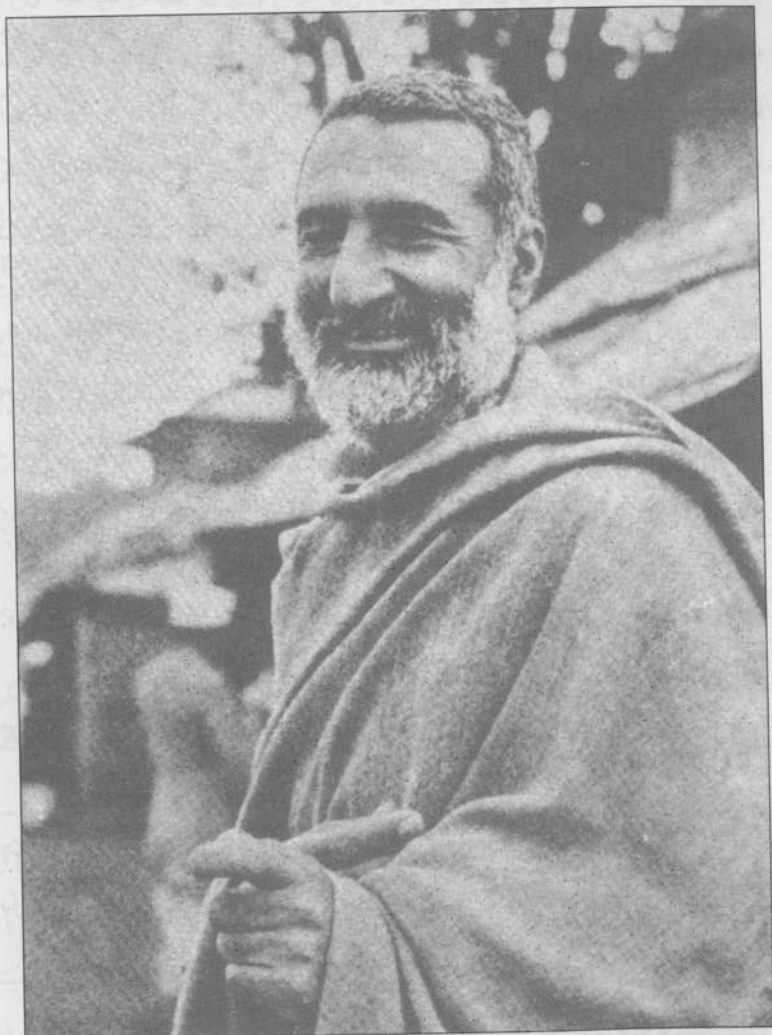
عبدالغفار خان

خان میرے باپ تھے اور وہ نیپ کے باپ نہیں تھے'' ان کا مطلب یہ تھا کہ جناب غفار خان کے سیاسی

نظریات کی بنا پر نیپ کے خلاف کوئی فیصلہ نہیں ہونا چاہئے۔ وجہ شاید یہ تھی کہ ان دنوں جناب غفار خان واضح طور پر پاکستان کے خلاف اور آزاد پختون ریاست کے حق میں باتیں کر چکے تھے۔

لیکن گزشتہ دنوں غفار خان کی دسویں برسی کے موقع پر جناب ولی خان نے پشاور میں دھواں دھار تقریر کے دوران یہ کہا کہ:

''بابا آپ آئیں اور دیکھیں کہ آپ کے بچے آپ کی وفات کے بعد اتحاد کے ساتھ اکٹھے ہوئے ہیں۔ وہی سرخ کپڑے ہیں اور وہی سرخ ٹوپیاں۔ اسی لباس میں آپ کے بچے آج بھی حاضر کھڑے ہیں اور بابا آپ کو مبارکباد دیتے ہیں کہ آپ کا یہ ارمان پورا ہو گیا۔''

اسی تقریر کا ایک اور جملہ دیکھیں۔

''ہم باچا خان کی برسی کے لئے آئے ہیں اور باچا خان کی باتیں کریں گے۔ اس جلسے نے تو پختونستان کا رخ اختیار کر لیا ہے۔''

آگے چل کر پھر کہتے ہیں۔ ''آئیں بابا دیکھ لیں کہ وہی بہادر نوجوان جیسا کہ آپ کے ساتھ اٹھے تھے، آج ویسے ہی اس مقصد کے لئے اٹھے ہیں۔''

آگے چل کر پھر کہتے ہیں۔ ''پختونستان کا جو مسئلہ ہے، وہ تو اسمبلی میں پیش ہو چکا ہے اور جب اسمبلی نے پاس کیا تو یہ مسئلہ حل ہو گیا۔ اس صوبے کا نام پختونخوا ہے اور کسی کا باپ بھی اسے تبدیل نہیں کر سکتا۔''

قارئین محترم، جب جناب ولی خان جلسہ عام میں اسی باچا خان کو جسے وہ 1975ء میں سپریم کورٹ کے سامنے بیان دیتے ہوئے یہ کہہ چکے کہ وہ میرا باپ تھا، نیپ کا باپ نہیں، آج وہ کہتے ہیں کہ جہاں سے غفار خان نے چھوڑا تھا، آج اس کے بچے وہی مقصد لے کر پھر سے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ پھر وہ پختونستان قائم ہونے کی بات کرتے ہیں، پھر وہ ڈیورنڈ لائن یعنی پاک افغان سرحد کے خاتمے اور دونوں طرف کے پختون عوام کے ایک ہونے اور صوبہ سرحد کو افغانستان سے آنے والے مہاجروں کی اپنی زمین قرار دیتے ہیں، اور ضیاء الحق کے

حوالے سے یہ اشارہ دیتے ہیں کہ مہاجر افغانستان سے آنے والے نہیں، بلکہ پنجاب سے آکر سرحد میں بسنے والے مہاجر ہیں۔ جب وہ صوبہ سرحد کی زمین پر سارے صوبوں کے وسائل سے بنے ہوئے ڈیم کی بجلی پر اپنا حق جتلاتے ہیں، تو کیا وہ آئین پاکستان کو توڑ نہیں رہے ہوتے۔

معزز قارئین! کیا پاکستان کی سرزمین سے پیار کرنے والے کسی بھی پاکستان کے اور قائداعظمؒ کے بیٹے کا یہ فرض نہیں بنتا کہ وہ پاکستان کے عوام کو بتائے کہ غفار خان کا وہ کیا مشن تھا، جسے پورا کرنے کے لئے آج، بقول جناب ولی خان، ان کے بیٹے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں اور جب غفار خان کی بات چلے گی تو ان کی گاندھی سے محبت، دینِ اسلام کے ''مصفا'' پانی میں ہندومت کی غلاظت ملانے کی باتیں بھی ہوں گی۔ پھر پاکستان سے پہلے اور بعد جناب غفار خان کے سیاسی نظریات، تقاریر اور بیانات کا بھی جائزہ لینا ہوگا۔

اور اگر وزیراعظم جناب نواز شریف جو قائداعظمؒ کی وارث جماعت مسلم لیگ کے سربراہ بھی ہیں، اپنی سیاسی مصلحتوں کے باعث اپنے وزیر داخلہ چودھری شجاعت حسین کو چوری چھپے ولی خان کے گھر انہیں منانے کے لئے بھیجتے ہیں، اور خود بھی ولی خان کی لگائی ہوئی آگ پر پانی ڈالنے ان کے گھر پہنچتے ہیں، جب ''فرزند پاکستان'' کے نام سے اپنی خودنوشت کا مصنف شیخ رشید جسے ذاتی طور پر میں نے ہمیشہ پسند کیا اور اپنا دوست سمجھا، اس معذوری کا اظہار کرتا ہے کہ پارٹی ڈسپلن کے تحت ہماری زبان بند ہے، تو پھر میں کیوں نہ چیخ چیخ کر یہ کہوں کہ:

محترم مسلم لیگی اکابرین اور قومی نظریے کی بنیاد پر بننے والے ملک کی سرزمین پر، اسی نظریے کی بنیاد پر معرض وجود میں آنے والی مسلم لیگ زبان اور نسل کی بنا پر بننے والی جماعت اے این پی یا ایم کیو ایم کے ساتھ، نہیں چل سکتی، نہیں چل سکی، نہیں چل سکے گی۔

جناب ولی خان! ہم پنجاب کے لوگ غاصب نہیں ہیں۔ اس موضوع پر بھی تفصیل کے ساتھ بات ہونی چاہئے کہ پاکستان میں کتنی حکومتیں آئیں اور ان کے حکمران کن صوبوں سے تعلق رکھتے تھے اور پنجاب کو اس کی آبادی کے حساب سے فی کس کتنے معاشی حقوق ملے اور کتنے چھوٹے بھائیوں کے سپرد کئے گئے۔ ہم غریبوں نے گالیاں کتنی کھائیں اور کھانے والا کون تھا؟

جناب والا! سرحد ہو، سندھ ہو یا بلوچستان...... آپ کے صوبائی حقوق مرکز کے کسی
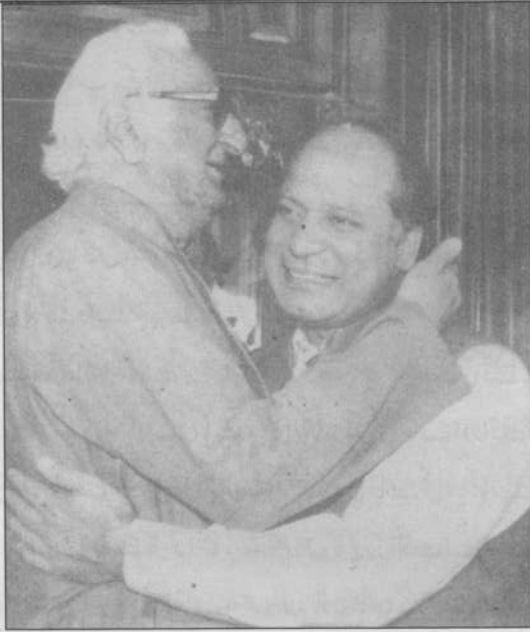
اے این پی کے رہبر عبدالولی خان اور نواز شریف

حکمران گروہ نے روکے ہیں تو پنجاب کے عوام کا کیا قصور ہے۔ پنجاب کے عوام تو آپ کے ساتھ ہیں۔ ہم اختیارات کے ارتکاز کے حق میں نہیں۔ ہم فرد واحد کی حکمرانی کے حامی نہیں۔ ہم اہل پنجاب نے اپنی گلیوں اور محلوں میں کبھی پٹھان، بلوچ، سندھی یا مہاجر کو باہر کے لوگ نہیں سمجھا۔ ہمیں ون یونٹ کی گالی نہ دیں، کیونکہ اس ون یونٹ میں ولی خان صاحب! آپ کے تایا ڈاکٹر خان صاحب وزیراعلیٰ رہے، جو غفار خان کے بھی بڑے بھائی تھے، اور حساب ہی کرنا ہے تو آئیں اعداد و شمار کے ساتھ بیٹھ کر حساب کر لیں کہ ون یونٹ سے پنجاب کو کیا فائدہ ہوا اور کیا نقصان۔

لیکن پاکستان کی سرحدوں کو توڑنے، قائداعظمؒ کے پاکستان کی کمر میں پیچھے سے خنجر گھونپنے اور زبان، رنگ اور نسل کے بت کھڑے کرنے والوں کی مسلسل زہر افشانی پر ہم خاموش نہیں رہ سکتے۔

اور قارئین محترم، ہم نے کسی کو گالی نہیں دی۔ جو کچھ لکھا، حوالوں کی بنیاد پر لکھا۔ سیاسی اختلاف کے باوجود ولی خان صاحب یا ان کے والد کا نام ''جناب'' اور ''صاحب'' کے

بغیر کبھی نہیں لیا۔ لیکن اسے ہمارے کمزوری نہ سمجھے۔ آپ قائداعظمؒ کو انگریز کا ایجنٹ کہیں گے، جو سراسر جھوٹ ہے تو آپ کے خلاف جو سچ ہے کہ آپ کی تائی صاحبہ محترمہ وزیراعلیٰ سرحد کی بیوی ہونے کے باوجود برطانوی سرکار کے خفیہ فنڈ سے ہر ماہ کس لئے وظیفہ وصول کرتی تھیں۔ قائداعظمؒ کی مرحومہ بیگم تو جواب دینے کی پوزیشن میں نہیں کہ واقعی انگریز حکمران کی بیگم نے ان کے لباس پر تنقید کی تھی یا نہیں، لیکن آپ کی بیگم محترمہ نسیم ولی خان صاحبہ کی طرف سے لندن کی عدالت میں پیش ہونے والے مقدمے اور اس میں موصوف کے اعتراف جرم کرنے اور جرمانہ ادا کرنے پر بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے، مگر ہم ایسا کرنا کسی طور پر مناسب نہیں سمجھتے۔ اور ہمارا خیال ہے کہ بہتر یہی ہے کہ سیاسی اختلاف کی بات سیاسی الفاظ میں کی جائے اور اسے ذاتیات تک نہ لایا جائے، لیکن اگر ہمارے اکابرین کی شان میں گستاخی کی جائے گی، یا ہمارے وطن کو توڑنے کے پروگرام کا اعلان کیا جائے گا، تو انشاء اللہ ہم اس کا پوری قوت سے ڈٹ کر مقابلہ کریں گے۔ اللہ تعالیٰ پاکستان کو جو سرحد، پنجاب، سندھ اور بلوچستان کے مسلمانوں کا آزاد وطن ہے، سلامت رکھے۔ اس کے نظام میں کوئی خرابی ہے تو دور کی جاسکتی ہے۔ اس کے حکمرانوں سے اختلاف ہے تو حکومتیں آتی جاتی رہتی ہیں۔ لیکن پاکستان، آئینِ پاکستان اور بانی، پاکستان کی عزت واحترام اور اس کے نظریے سے وفاداری ہمارا یقینِ محکم ہونا چاہئے۔

فہرست کتابیات

1- "Two Servants of God" مصنف مہادیو ڈیسائی، ناشر جامعہ پریس دہلی، 1935ء

2- "Abdul Ghaffar Khan" مصنف ڈی جی ٹنڈولکر، ناشر گاندھی پیس فاؤنڈیشن، 1976ء

3- ''تحریک خدائی خدمت گار'' مصنف خان غازی کابلی، ناشر نرائن دت سہگل اینڈ سنز 1945ء

4- ''دیدہ وشنیدہ'' ڈاکٹر شیر بہادر خان پنی، ناشر دارالشفا ایبٹ آباد۔

5- "The Great Devide" مصنف ایچ وی ہڈسن۔

6- "The Pathans" سر اولف کیرو، مطبوعہ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس کراچی، 1958ء

7- ''حقائق حقائق ہیں'' مصنف عبدالولی خان، ناشر زاہد خان دیر ہاؤس راولپنڈی، 1988ء

8- ''خان عبدالغفار خان، سیاست اور عقائد'' مصنف علامہ مفتی مدرار اللہ مدرار نقشبندی، ناشر ادارہ اشاعت مدرار العلوم گلبرگ مردان، صوبہ سرحد۔ دسمبر 1995ء

9- ''زما ژوند اور جدوجہد'' مصنف عبدالغفار خان۔

10- "Mahatma Gandhi the Last Phase" مصنف پیارے لال۔

11- "India Wins Freedom" ترجمہ ''آزادی ہند'' مصنف مولانا ابوالکلام آزاد، مطبوعہ ارشد بک سیلرز میر پور آزاد کشمیر 1996ء

12- "Facts are Sacred" مصنف ظہور الحق۔

13- ''افغانستان کا تاریخی پس منظر اور پختون مسئلہ آزادی'' مصنف زاہد چودھری ادارہ مطالعہ

تاریخ ٹمپل روڈ لاہور۔

14- ''قائداعظم اور سرحد'' مصنف عزیز جاوید، ناشر ادارہ تحقیق وتصنیف پشاور، دسمبر 1977ء

15- ''ولی خان اور قرارداد پاکستان'' مصنف محمد فاروق قریشی فکشن ہاؤسنگ مزنگ روڈ لاہور 1997ء

16- ''جھوٹ، جھوٹ ہے'' مصنف عنایت الرحمٰن عباسی۔

17- "Transfer of Power in India" مصنف وی پی مینن۔

18- ''ظہور پاکستان'' مصنف چودھری محمد علی، مکتبہ کاروان 1989ء

19- "Mission with Mountbeton" مصنف کیمبل جانسن۔

20- ''ماؤنٹ بیٹن پیپرز'' وائسرائے کا انٹرویو نمبر 144۔

21- ''ولی خان کے حقائق کی حقیقت'' مصنف مسعود زاہدی، ناشر کلاسیک لاہور۔

22- "had there been on Jinnah" مصنف صلاح الدین خان، ناشر 186-اتاترک ایونیو اسلام آباد۔

23- "The Indian Struggle" مصنف سبھاش چندر بوس۔

24- "History of Pakistan" مصنف یو۔وی۔گینکووسکی۔

25- ''ماؤنٹ بیٹن'' مصنف فلپ زیگلر۔

26- سوانح عمری، سر سٹیفورڈ کرپس۔

27- "As is happened" مصنف سی آر ایٹلی۔

28- "Khyber, British Indias North West Frontier" مصنف چارلس ملر۔

29- "Viceroy's Agent" مصنف چارلس چینوک۔

30- "Life and Death of Gandhi" مصنف رابرٹ پائن، مطبوعہ سمتھ مارک پبلشرز۔16 ویسٹ اینڈ سٹریٹ نیویارک۔

31- ''تلاش حق'' مصنف مہاتما گاندھی۔

ضیا شاہد

مصنف کونسل آف پاکستان نیوز پیپر ایڈیٹرز کے صدر، روزنامہ خبریں، نیا اخبار کے چیف ایڈیٹر، نامور صحافی ہیں۔ اس ذمہ داری سے پہلے روزنامہ پاکستان کے بانی ایڈیٹر، روزنامہ جنگ لاہور کے جائنٹ ریذیڈنٹ ایڈیٹر، روزنامہ نوائے وقت لاہور کے ڈپٹی ایڈیٹر رہے۔ نوائے وقت کراچی کے ریذیڈنٹ ایڈیٹر کے طور پر بھی کام کیا۔ قبل ازیں سات برس تک اردو ڈائجسٹ کے جائنٹ ایڈیٹر اور ہفت روزہ صحافت کے ایڈیٹر، پرنٹر پبلشر بھی رہے۔ بھٹو دور میں شاہی قلعہ کے مہمان بنے اور سات ماہ تک جیل میں آزادی صحافت کے جرم میں سزا کاٹی۔ شعبہ صحافت میں اعلیٰ خدمات کے اعتراف میں انہیں صدر پرویز مشرف کے دور میں اعلیٰ سول اعزاز ستارہ امتیاز بھی مل چکا ہے جبکہ سی پی این ای کی طرف سے وزیراعظم نواز شریف کے ہاتھوں لائف ٹائم اچیومنٹ ایوارڈ بھی ملا۔

978969900714-9

Price Rs. 800/-